بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o

اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّھُمۡ یَفۡقَھُوۡنَ O 65 الانعام

اے مخاطب!

غور کرکہ ہم اپنی آیتوں کو کس طرح پھیر پھیر کر لاتے ہیں، تاکہ لوگ تصریفِ آیات کے ساتھ قرآنِ کریم میں تفقّہ کیا کریں

قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد

تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کا دیباچہ

شائع کردہ

ادارہ بلاغ القرآن 110۔این سمن آباد لاہور پاکستان پوسٹ کوڈ 54500

فون:042-7551559

☆

نام کتاب	قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد
اشاعت	اوّل
تاریخ اشاعت	اکتوبر 2008ء
تعداد	1000
مطبع	معراج پرنٹنگ پریس مچھلی منڈی سرکلر روڈ اُردو بازار لاہور
ناشر	ادارہ بلاغ القرآن۔110۔این سمن آباد لاہور پاکستان
	پوسٹ کوڈ:54500 فون: 042-7551559

ادارہ اُن حضرات کا تہہِ دل سے شکرگزار ہے جنہوں نے کسی بھی حیثیت سے اس کتاب کی اشاعت میں حصّہ ادا کیا ہے............اللہ تعالیٰ اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

تعارف

قرآنِ مجید کی یہ داخلی شہادت ہمارے لئے کافی ہے کہ اتباع صرف ما انزل اللہ کی کرنی چاہئے۔ قرآنِ مجید سمجھنے کے لئے اوّلین دَور سے کوشش ہوتی رہی ہے کہ الفاظ کے ان معانی کا انتخاب نہ کیا جائے جو کہ عربی لغت وادب میں تو درست ہیں لیکن قرآن میں تضاد اور گنجلک ثابت کرتے ہوں ان سے صرفِ نظر کر کے دوسرے عربی معروف معانی لئے جائیں جن سے قرآن میں تسلسل جاری رہے گنجلیں حل ہوں اور تضاد ختم ہو اس سلسلہ میں علمائے اہل الذکر والقران نے چالیس پچاس سال پہلے قرآن مہجور کو آزاد کرانے کا سوچا۔ اس پر کام تو سابقہ اَدوار میں بھی ہوتا رہا لیکن رواداری ناپید تھی۔ ہر فرد، فرقہ، عالم کا خیال ہوتا کہ سب لوگ اس سے متفق ہوں اور جو لوگ متفق نہ ہوتے گردن زدنی قرار پاتے، بہت سوں کو تہہِ تیغ کیا جاتا رہا، قید وبند کی صعوبتیں تو عام تھیں انکے لٹریچر کو تباہ کر دیا جاتا تاہم ہندوستان میں اس کام کا بیڑہ سر سید احمد خاں نے اٹھایا۔ ان کی دیکھا دیکھی کافی لوگوں کا حوصلہ بڑھا۔ کئی افراد نے اس سوچ کو اپنے اپنے انداز سے پیش کیا۔ نتیجتاً اب ہر طرف روش عام ہے لوگ قرآن کو اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش میں پائے جاتے ہیں۔ ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علمائے اہلِ الذکر والقرآن نے قرآن کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کا آغاز کیا لیکن اس کام سے پہلے انہوں نے قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد قرآن سے وضع کئے اور اُنہیں تفسیر القرآن بالقرآن کی پہلی جلد میں دیباچے میں شائع کیا۔

قرآن فہمی کے لیے ان اصول وقواعد کی ضرورت واہمیت اور لوگوں کے مطالبہ کی شدّت کے پیشِ نظر یہ محسوس کیا گیا کہ ان قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقوائد کو ایک الگ دیدہ زیب کتابی صورت میں شائع کیا جائے اور اس کی قیمت اتنی کم رکھی جائے کہ بمشکل خرچ پورا ہوتا کہ کوئی اس انمول زریں کتاب کے مطالعہ سے محروم نہ رہے۔ عام تراجم اور تفاسیر میں ان نکات پر غور نہیں کیا گیا چنانچہ قرآن میں تضاد ثابت کیا جاتا ہے اور عام ترجمہ عام آدمی کے سمجھنے میں مشکل ہوتا ہے مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں بیشتر مسائل جو شانِ نزول اور روایات کو مدنظر رکھ کر لکھے گئے ہیں، پڑھتے ہوئے بندہ متردّد ہو جاتا ہے اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ موجودہ دَور کے پڑھے لکھے نوجوان جب قرآن کا عام ترجمہ پڑھتے ہیں تو وہ اور زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ بہر حال ان تمام چبتے ہوئے سوالات کا حل ان اصولوں کی روشنی میں مل جاتا ہے یہ حجم میں چھوٹی لیکن مقاصد جلیلہ کی حامل کتاب ہر گھر اور ہر فرد کی ضرورت ہے۔ ہر سکول و کالج اور پبلک لائبریریوں میں اس کی ضرورت ہے۔ نیز اس کتاب میں تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے ''پیش لفظ'' اس لیے شائع کیے جا رہے ہیں تا کہ قارئین سمجھ سکیں کہ علماءِ اہلِ الذکر والقرآن کو سینکڑوں تفاسیر کی موجودگی میں بھی علیحدہ تفسیر لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ علمائے اہلِ الذکر والقرآن کے بورڈ نے اِنہی قرآنی اصول وقواعد کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے سورۃ فاتحہ تا سورۃ الرعد تفسیر القرآن بالقرآن چار جلدوں میں ضبطِ تحریر لائے ہیں۔ اور دیگر ہر قسم کے سوالات' جو دین کے متعلق کسی متلاشی ذہن میں اُبھر سکتے ہیں اور خلش کا باعث بن سکتے ہیں، کے جوابات اِنہی اصولوں کے تحت مختلف پمفلٹس کی صورت میں ادارہ کے پاس سٹاک میں واجبی قیمت پر دستیاب ہیں عندالضرورت خواہش مند حضرات طلب کر کے استفادہ کر سکتے ہیں۔

قرآن کے نزول کا مقصد اور اس پر

علم و عقل سے تدبّر

✪ کِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ o 38/29 یہ کتاب جسے ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے بڑی برکت والی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل وشعور رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں o

✪ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَ لَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ o 27/84 یہاں تک کہ جب (سب) آجائیں گے تو (اللہ) فرمائے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلا دیا تھا اور تم نے (اپنے) علم سے اُن پر احاطہ تو کیا ہی نہ تھا۔ بھلا تم کیا کرتے تھے؟

✪ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا o 47/24 کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا اُن کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں o

✪ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ o 7/179 اُن کے پاس (ہمارے دیئے ہوئے) دماغ ہیں وُہ اُن کے ساتھ غور نہیں کرتے۔ اُن کے پاس (ہماری دی ہوئی آنکھیں ہیں وہ اُن کے ساتھ دیکھتے نہیں، اور اُن کے پاس ہمارے دیئے ہوئے کان ہیں، وہ اُن کے ساتھ سنتے نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ اُن سے بھی گمراہ (اُن سے بھی گئے گزرے) یہی لوگ (ربوبیّت کے نظامِ الٰہی سے) غافل ہیں۔

✪ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ 10/100 کوئی شخص ایمان نہیں لاسکتا جب تک کہ وہ اللہ کے قانون کے مطابق عقل وفکر سے کام لے کر صحیح نتیجہ پر نہ پہنچے اس لئے ہمارا قانون یہ ہے کہ جولوگ عقل وفکر سے کام نہیں لیتے ان پر بات واضح نہیں ہوسکتی وہ الجھاؤمیں رہتے ہیںo

✪ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۙ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۙ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۭ 74/49-51 ان کوکیا ہواہے کہ اس تذکرہ (قرآن) سے رُوگرداں ہورہے ہیں۔''o گویا گدھے ہیں کہ (قرآن سے) بدک جاتے ہیںo (جیسے گدھے) شیر سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیںo

✪ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًاo (25/73) اوروہ کہ جب اُن کو پروردگار کی آیات سمجھائی جاتی ہیں تو اُن پر اندھے بہرے ہوکرنہیں گرتے (بلکہ غوروفکر سے کام لیتے ہیں)

✪ اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ 28/85 بےشک اللہ تعالیٰ نے قرآن کوتم پرفرض کردیا گیاہے

✪ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (39/9) کہہ دوان لوگوں سے کہ کیا جولوگ علم رکھنے والے ہیں اور جولوگ علم نہیں رکھتے وہ برابر ہوسکتے ہیں؟ ان نصیحت کی باتوں سے عقل وخرد والے فائدہ حاصل کرسکتے ہیںo

✪ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ o 57/17 بےشک وشبہ ہم نے اپنی آیات تم سے کھول کر بیان کردی ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o

فہرست عنوانات

نمبر شمار	فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
☆	تعارف	3
☆	عقل وشعور سے تدبّر فی القرآن	5
☆	پیش لفظ تفسیر القرآن بالقرآن	23
☆	قرآن حق ہے	23
☆	حق کی تعریف	24
☆	تفاسیر کے ڈھیر	25
☆	تفسیر کے طالب علم کی زندگی ختم ہو جائے گی تفسیریں ختم نہیں ہوں گی	25
☆	تفسیری اختلافات	26
☆	قرآنِ کریم کی تفسیر، اور خود قرآنِ کریم کے ساتھ؟	27
☆	تفقہ فِی القرآن کا قرآنی طریقہ	29
☆	رسولِ اکرمؐ کا طرزِ تدریس اور طریقۂ تفقہ فی القرآن بھی تصریفِ آیات ہی تھا۔	30
☆	رسولؐ کا فریضۂ تبیینِ قرآن	31
☆	قرآنِ کریم کے ساتھ کوئی غیر اللہ کتاب ہرگز ہرگز واجب الاتباع نہیں۔	33
☆	قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد کی اتباع لازم ہے	35
☆	حقیقتِ حال	36
☆	کیا سیّدنا عمرؓ قرآنِ کریم کی تفسیر رسولِ مقبولؐ سے بہتر جانتے تھے؟	37

نمبر شمار	فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد	41
1	قرآن کی زبان عربیٌ مبین ہے	41
	قرآنِ کریم زمانۂِ جہالت کے لٹریچر کا محتاج نہیں	42
	قرآنِ کریم کے سات قرائتوں پر نازل ہونے کا تصوّر قابلِ قبول نہیں	42
2	قرآنی الفاظ کی حاکمیت ہمیشہ قائم رکھی جائے گی	44
3	قرآنِ کریم اہلِ عرب کی روزمرہ کی بول چال کے عین مطابق ہے۔	46
4	الفاظ کا استعمال، باندازِ مجاز	46
5	تشبیہات، حروفِ تشبیہہ مذکور ومحذوف کے ساتھ۔	47
6	استعارات کا استعمال	48
7	قرآنِ حکیم اللہ کا قول، اور کائنات اس کا فعل ہے۔ اللہ کے قول وفعل میں تضاد وتخالف ہرگز نہیں۔	49
8	قرآن ایک مفصّل کتاب ہے مجمل نہیں	51
9	قرآنِ کریم خود مبین ہے	52
10	قرآنِ کریم کافی ہے۔	58
11	قرآنِ کریم کا مفسّر، خود اللہ تعالیٰ ہے۔	59
12	قرآنِ کریم میں تضاد وتخالف ہرگز نہیں	60
13	قرآنِ کریم میں آیات محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں لیکن اصلِ کتاب محکمات ہیں۔	60
13.1	کیا ہدایت وگمراہی' انسان خود اختیار کرتا ہے۔ یا اللہ ہی ہدایت دیتا' اور وُہی گمراہ کرتا ہے؟	62

نمبر شمار		فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	13.2	آیاتِ محکمات ومتشابہات کا تقابل۔☆	63
	13.3	متشابہات کی ایک اہم مثال	65
	13.4	محکمات ومتشابہات کی تعریف	67
	13.5	الفاظ کے حقیقی اور مجازی معنوں کی پہچان کا واحد ذریعہ مشاہداتِ عالم ہیں۔	69
	13.6	نگاہِ بازگشت......محکمات ومتشابہات، ایک نظر میں۔	71
	13.7	اللہ تعالیٰ نے آیاتِ متشابہات نازل ہی کیوں فرمائی ہیں؟	72
	13.8	آیاتِ متشابہات کو محکمات کر دیا گیا ہے	72
	13.9	سارا قرآنِ کریم باہم ملتا جلتا یعنی متشابہ ہے	73
	13.10	"مُتَشَابِهاً مَّثَانِي" کی تعریف "سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ" کے الفاظ میں	75
14		پورا قرآنِ کریم، سات دُہرائے ہوئے عنوانات ہیں۔	75
	14.1	قرآنِ کریم کا سات نکاتی منشور	76
	14.2	تحفّظِ ناموسِ رسالت	77
	14.3	اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے وصل کا حکم دیا ہے اُن میں فصل کرنا موجبِ فساد ہے۔	79
	14.4	تصویر کا دُوسرا رُخ	82
15		قرآنِ کریم کی نہ کوئی آیت ہی منسوخ ہے نہ کسی آیت کا کوئی حصّہ	83
16		قرآنِ کریم کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ کے ذِمّہ ہے۔	84
17		اللہ تعالیٰ کی سنت، یعنی اُس کے کائناتی قوانین ہرگز نہیں بدلتے۔	85
18		قرآنِ کریم، ایک باربط کتاب ہے۔ پراگندہ وبے ربط ہرگز نہیں۔	86
19		قرآنی محذوفات	87

نمبر شمار	فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
20	ذو معنی الفاظ کا مفہوم، اُن کے متعدّد معنوں میں سے، وہ لیا جائے گا جو ربطِ کلام اور عربی لغت وقواعد کے بھی مطابق اور مذکورہ بالا کسی قرآنی اصول کے خلاف بھی نہ جاتا ہو۔	89
21	کلامِ مقصود اور غیر مقصود میں تمیز کرنا ضروری ہے ۔ کلامِ غیر مقصود بطور محالِ تام آتا ہے۔	92
22	انقسامِ مفہوم مطابق قرآنی کُلیہ جات وعالمی مشاہدات۔	93
22.1	تحفّظِ ناموسِ رسالت	94
23	تشریحِ الفاظ وآیات بذریعہ تقابلِ ضدّین۔	96
24	جُملہ ہائے اعتراض	97
25	قرآنِ کریم اپنی لُغت آپ پیش کرتا ہے۔	99
25.1	صبر	99
25.2	شُکر	100
25.3	توّکل	100
25.4	دین	101
25.5	سحر	103
25.6	اِذن	104
25.7	الامر	105
25.8	قرآنِ کریم میں بعض مقامات پر لفظ اللہ سے مراد اللہ کا قانون ہے	106
26	اَطِیعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیعُوا الرّسُول	110
26.1	حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے	110

نمبر شمار		فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	26.2	اللہ کے رسول اپنی نہیں، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرواتے تھے	111
	26.3	اصل مُطاع اللہ تعالیٰ ہے	111
	26.4	اکلوتی اطاعت	114
	26.5	مرکزی اتھارٹی	114
	26.6	اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کون ہیں	116
27		ناسخ ومنسوخ	119
	27.1	اللہ تعالیٰ کے جُملہ احکام وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں	119
	27.2	تنسیخِ آیات کے متعلق قرآنی فیصلہ	122
28		شانِ نزول	126
	28.1	قرآنِ کریم عالمگیر ضابطۂ حیات ہے	126
	28.2	شانِ نزولوں کے باہمی اختلافات۔	127
	28.3	حاشیہ تفسیر ثنائی	127
	28.4	ماریہ ؓ کا روائتی قصّہ	128
	28.5	شہد کا روائتی قصّہ	129
	28.6	آیۂ تحریم کا صحیح مفہوم	131
	28.7	شانِ نزولِ قرآن کا نظریہ خود شانِ باری کے بھی خلاف ہے	132
	28.8	ایک ضروری وضاحت	133
29		حُروفِ مقطّعات	135
	29.1	کیا حُروفِ مقطّعات کا مفہوم معاذ اللہ رسولِ کریم بھی نہیں جانتے تھے؟	135

نمبر شمار		فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	29.2	حُروفِ مقطّعات کیا ہیں؟ ☆	136
	29.3	روایاتی اور قرآنی تصور کا الگ الگ خاکہ	137
	29.4	س کا مفہوم	138
	29.5	حُروفِ مقطّعات کا قاعدہ کُلیہ۔	138
30		حُروفِ مقطّعات کے الگ الگ مفاہیم۔	142
	30.1	الٓمّ کا مفہوم	143
		ا　الف سے امین مراد ہے	143
		ب　لام سے لین القلب مراد ہے آپؐ لین القلب تھے	144
		ج　میم سے مُراد ہے مرسل	145
		د　میم ثانی سے مُراد ہے محمدؐ (حمد در حمد کیا ہوا)	145
	30.2	الٓمّصٓ کا مفہوم	146
	30.3	الٓرٰ کا مفہوم	147
	30.4	الٓمّرٰ کا مفہوم	147
	30.5	یٰسٓ کا مفہوم	147
	30.6	صٓ کا مفہوم	148
	30.7	قٓ کا مفہوم	148
	30.8	نٓ کا مفہوم	148
	30.9	طٰہٰ کا مفہوم	148
	30.10	طٰسٓ کا مفہوم	149
	30.11	طٰسٓمّ کا مفہوم	149

نمبر شمار		فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	30.12	حٰمٓ کا مفہوم ☆	149
	30.13	حٰمٓ عٓسٓقٓ کا مفہوم	149
	30.14	کٓھٰیٰعٓصٓ کا مفہوم	150
31		حروف کی بحث	151
	31.1	واوٗ کے مختلف استعمالات............ واوٗ عاطفہ الفاظ کا عطف الفاظ پر اور جملے کا عطف جملے پر ہوتا ہے۔	151
	1	واوٗ بمعنی اور	151
		خبر کا عطف خبر پر، امر کا عطف امر پر، اور مثال کا عطف مثال پر ہوتا ہے	152
	2	واوٗ بمعنی لیکن	153
	3	واوٗ بمعنی کیونکہ	153
	4	واوٗ برائے اظہارِ حقیقت	153
	5	واوٗ بمعنی بلکہ	154
	6	واوٗ بمعنی جبکہ	154
	7	واوٗ تفسیر، بمعنی یعنی	154
	8	واوٗ بمعنی اس لئے	154
	9	واوٗ بمعنی حالانکہ	154
	10	واوٗ بمعنی تو، پھر، پس (یعنی واوٗ بمعنی فا)	155
	11	واوٗ برائے اظہارِ صفت	155
	12	واوٗ بمعنی بذریعہ	155
	13	واوٗ بمعنی اَوْ (یا)	156

نمبر شمار		فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	14	واؤ اِستیناف	156
	15	واؤ برائے معیّت بمعنی نیز	157
	16	واؤ برائے قسم (شہادت)	157
31.2		اَوْ کے مختلف استعمالات	158
		مثال کا عطف مثال ہی پر ہوتا ہے	
	1	اَوْ بمعنی یا	158
	2	اَوْ بمعنی بلکہ	162
	3	اَوْ بمعنی حتّٰی کہ، یہاں تک کہ	162
	4	اَوْ برائے انقسامِ مفہوم	162
	5	اَوْ برائے نفی تام	163
	6	اَوْ بمعنی شک واشتباہ	163
	7	اَوْ بمعنی واؤ تفسیر	163
31.3		ب کے مختلف استعمالات	163
	1	با برائے تعدیہ۔(لازم کو متعدی بنانے کے لئے)	164
	2	با اظہارِ سبب کے لئے	164
	3	با بمعنی کے ساتھ	164
	4	با بمعنی کے پاس	164
	5	با بمعنی کے عوض	164
	6	با بمعنی کے متعلق	164
	7	با بمعنی سے	164
	8	با بمعنی کے وقت	164
	9	با بمعنی کے مقام پر	164

نمبر شمار			فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
		10	با بمعنی پر، اُوپر	165
		11	با بمعنی کا	165
		12	با بمعنی کو	165
		13	با بمعنی کے بارے میں	165
		14	با بمعنی کے ذریعہ	165
		15	با زائدہ	165
		16	با برائے قَسم	165
	31.4		ف کے مختلف استعمالات	165
		1	فا بمعنی پھر	166
		2	فا برائے توضیح بمعنی سو	166
		3	فا بمعنی تو	166
		4	فا بمعنی ورنہ	166
		5	فا بمعنی اس طرح	166
		6	فا بمعنی لیکن	166
		7	فا برائے اظہارِ حقیقت	166
		8	فا زائدہ	166
	31.5		س کے مختلف استعمالات	167
		1	س برائے مستقبل قریب	167
		2	س برائے تاکید	168
	31.6		فی کے مختلف استعمالات	169
		1	فی بمعنی میں	169

صفحہ نمبر	فہرست عنوانات			نمبر شمار
169	فی برائے اظہارِ سبب	2		
169	فی بمعنی کے مقابلہ پر	3		
169	فی بمعنی کے لئے	4		
170	فی بمعنی کے ذریعہ	5		
170	**مِنْ کے مختلف استعمالات**		31.7	
170	مِنْ ابتدائیہ بمعنی سے	1		
170	مِنْ بیانیہ برائے استغراق	2		
170	مِنْ بعضیہ	3		
170	مِنْ بمعنی کی طرف سے	4		
170	مِنْ بمعنی کی وجہ سے	5		
171	مِنْ بمعنی کی بجائے	6		
171	مِنْ بمعنی میں سے	7		
171	مِنْ بمعنی کے ساتھ	8		
171	مِنْ بمعنی کے مقابلہ پر	9		
171	مِنْ بمعنی کے ہاں	10		
171	مِنْ بمعنی کے	11		
171	مِنْ برائے تمیز	12		
172	مِنْ بمعنی کے بدلے	13		
172	مِنْ بمعنی کوئی بھی	14		
172	مِنْ زائدہ اور مِمَّا بمعنی اس لئے کہ۔	15		

نمبر شمار			فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	31.8		عَنْ کے مختلف استعمالات ☆	172
		1	عَنْ بمعنی سے	172
		2	عَنْ بمعنی پر	173
		3	عَنْ بمعنی کا۔کے۔کی	173
		4	عَنْ برائے اُلٹے معنے	173
		5	عَنْ بمعنی کے بعد	173
		6	عَنْ بمعنی میں آکر	173
		7	عَنْ بمعنی کے مطابق	173
		8	عَنْ بمعنی کے ساتھ	173
	31.9		علٰی کے مختلف استعمالات	174
		1	علٰی بمعنی پر	174
		2	علٰی بمعنی سے	174
		3	علٰی بمعنی میں	174
		4	علٰی بمعنی کے مطابق	174
		5	علٰی بمعنی کے باوجود	174
		6	علٰی بمعنی کے متعلق	174
		7	علٰی بمعنی تک	175
		8	علٰی بمعنی کے سامنے	175
		9	علٰی بمعنی کے ذریعہ	175
		10	علٰی بمعنی فرض ہے	175
		11	علٰی بمعنی کے پاس	175
		12	علٰی بمعنی کے مقابلہ پر	175

نمبر شمار			فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	31.10		اِلٰی کے مختلف استعمالات ☆	175
		1	اِلٰی بمعنی تک (زمان کے لئے)	175
			اِلٰی بمعنی تک (مکان کے لئے)	176
		2	اِلٰی بمعنی سمیت	176
		3	اِلٰی بمعنی کے ساتھ	176
		4	اِلٰی بمعنی کو	176
		5	اِلٰی بمعنی میں	176
		6	اِلٰی ،زائدہ	176
		7	اِلٰی بمعنی کے نزدیک	176
		8	اِلٰی بمعنی کے متعلق	176
		9	اِلٰی بمعنی کے لئے	176
		10	اِلٰی بمعنی کی طرف	176
	31.11		کلّا کے مختلف استعمالات	177
		1	کلّا بمعنی بات یوں نہیں ہے	177
		2	کلّا بمعنی ہرگز نہیں	177
		3	کلّا بمعنی وہ ایسا ہرگز نہ کرسکیں گے	178
		4	کلّا بمعنی حقیقت یہ ہے	178
		5	کلّا بمعنی ضرور ضرور	178
	31.12		بل کے مختلف استعمالات	178
		1	بل برائے تردید وانکار	178
		2	بل برائے تائید وتوثیق	179
		3	بل برائے وضاحت واضافہ	180
		4	بل برائے تائید کلام مابعد، بلاتردید کلام ماسبق	180

نمبر شمار		فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	31.13	مِنۡ دُوۡن کے مختلف استعمالات	180
	31.14	اِلَّا کے مختلف استعمالات	181
	1	اِلَّا بمعنی سوائے	181
	2	اِلَّا بمعنی ہاں البتہ	181
	3	اِلَّا عاطفہ بمعنی اور	181
	4	اِلَّا برائے استغراق	182
	5	اِلَّا بمعنی اِنۡ لَا اگر نہیں	182
	6	اِلَّا برائے تاکید وتائید	182
	31.15	اِنَّ کے مختلف استعمالات	183
	31.16	اَنّٰی کے مختلف استعمالات	184
	1	اَنّٰی بمعنی کس طرح	184
	2	اَنّٰی بمعنی کہاں سے	184
	3	اَنّٰی بمعنی کدھر کو	184
	4	اَنّٰی بمعنی جب	184
	31.17	استفہام اقراری وانکاری	184
	31.18 / 1	استفہام انکاری	184
	2	استفہام اقراری	185
		اِنۡ کے مختلف استعمالات	185
	1	اِنۡ شرطیہ	185
	2	اِنۡ نافیہ باوُرود اِلَّا	185
	3	اِنۡ نافیہ بلاوُرود اِلَّا	185
	4	اِنۡ تاکیدیہ بمعنی بے شک صلہ لام کے ساتھ	186
	5	اِنۡ تاکیدیہ بمعنی بے شک بغیر صلہ لام	186

نمبر شمار		فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	31.19	اَمْ کے مختلف استعمالات	187
	1	اَمْ بمعنی یا	187
	2	اَمْ بمعنی نیز	187
	3	اَمْ، زائدہ	187
	31.20	اَمَّا کے مختلف استعمالات	187
	1	اَمَّا بمعنی جو، جِس	187
	2	اَمَّا بمعنی یا	187
	31.21	اِمَّا کے مختلف استعمالات	188
	1	اِمَّا بمعنی یا	188
	2	اِمَّا بمعنی خواہ	188
	3	اِمَّا بمعنی اگر	188
	31.22	بَعْدُ کے مختلف استعمالات	188
	1	بَعْدُ بمعنی کے بعد	188
	2	بَعْدُ بمعنی سوا	189
	3	بَعْدُ بمعنی اِس کے باوجود	189
	31.23	ذَالِکَ کے قرآنی استعمالات	189
32		قواعد کی بحث	190
	32.1	افعال ثلاثی مجرّد کا خاصہٴ وجدان	190
	32.2	فعل ماضیٔ مضارع کے معنوں میں	195
	1	عطف ماضی بر مضارع	195
	2	ابتدائے کلام میں	195
	3	اسم موصول کے بعد آئے	195
	4	ندا کے بعد آئے	195

نمبر شمار			فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
		5	لفظ حَیثُ کے بعد آئے	196
		6	لفظ کُلَّمَا کے بعد آئے	196
		7 تا 10	شرط جزاء، اور ہر دو پر عطف۔	196
		11	جملہ دُعائیہ میں	196
	32.3		فعل مضارع ماضی کے معنوں میں	197
		1	ماضی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے:۔	197
		2	مضارع کا عطف ماضی پر:۔	197
		3	مضارع پر لَمْ داخل ہو:۔	197
	32.4		اللہ تعالیٰ قیدِ مکان وزمان سے مُنزّہ ہے۔	198
	32.5		کلماتِ حصر	198
		1	حصر بذریعہ نفی اثبات	198
		2	حصر بذریعہ اِنَّمَا و اَنَّمَا	199
		3	حصر بذریعہ ضمیر مقدّم	199
		4	حصر بذریعہ جار مجرور مقدّم	200
	32.6		تنوین عہدی ذِکری، اور تنوین عوض مضاف، یا عوض مضاف اِلیہ۔	200
	32.7		بسمِ اللہ شریف بھی قرآن کی آیت ہے	201
			بسمِ اللہ شریف بظاہر جُملہ ناقص ہے تام نہیں۔	201
33			جمع القرآن	204
	33.1		جمع قرآن تفاسیر کے آئینے میں	204
	33.2		قرأت کے اختلافات تفاسیر کی رُو سے۔	204
	33.3		اعراب کا اختلاف	205
	33.4		قرآنِ کہتا ہے کہ وہ زمانۂ رسالت میں صحیح کتابی صورت میں باریک جھلّی کے کاغذوں پر سطر وار لکھا ہوا تھا۔	206
	33.5		قرآنِ کریم کو خود رسولؐ اپنے دستِ مبارک سے لکھا کرتے تھے	207

نمبر شمار		فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
	33.6	قرآنِ کریم کا نسخۂ امام۔	208
	33.7	قرآنِ کریم کے متعدد نسخے اس نسخۂ امام سے روزانہ آپ کی نگرانی میں نقل ہوا کرتے تھے	208
	33.8	آپؐ خود بھی حافظ قرآن تھے اور آپ نے متعدد مزید حافظِ قرآن بنائے بھی تھے۔	209
	33.9	ترتیبِ قرآنِ کریم	210
	33.10	حِفظ وترتیب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔	211
	33.11	قرآنِ کریم کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟	212
	33.12	قرآنِ کریم قیامت تک کی پُوری نوعِ انسانی کیلیئے ہدایت نامہ ہے	215
	33.13	آپؐ خاتم النّبیّین تھے آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ نیا نہ پرانا	217
	33.14	محمدؐ ہدایت کے متلاشی تھے، قرآنِ کریم معاشرہ کے دُکھوں کا مداوا ہے۔	219
		حاصل کلام	

ہماری گذارش

ترجمہ وتفسیر زیرِ نظر کا تعارف (پیش لفظ) انتہائی عام فہم الفاظ میں پیش کیا گیا ہے ۔حتّٰی کہ عربی قواعد کی مشکل اصطلاحوں کی بجائے آسان ترین اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں ۔تا کہ کم علم حضرات بھی قرآنِ کریم کی اپنی پیش کردہ قواعد کی روشنی میں قرآنی مفہوم کو بآسانی سمجھ سکیں۔

یہ قرآنِ کریم پر پڑے ہوئے ، روایات کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کی مُخلصانہ کوشش ہے۔لیکن بتقاضاءِ بشریّت سہو ونسیان کے لئے حضورِ الٰہی میں دست بدعا ہیں:۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج 2/286 یہ کوشش حرفِ آخر نہیں۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے دعوتِ فکر وتدّبر ہے (47/24) (ادارہ بلاغ القرآن)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

ترجمۃ القرآن بتصریفِ آیات الفرقان

معروف بہ

تفسیر القرآن بالقرآن

پیش لفظ (زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر کا تعارف)

قرآن حق ہے

✿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِیۡلًا o 76/23 اے رسول! بیشک ہم نے قرآن کو آپ پر اس طرح ٹھیک ٹھیک نازل فرمایا ہے۔ جو نازل کرنے کا حق ہے۔

✿ وَیَرَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ہُوَ الۡحَقَّ لا وَیَہۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ o 34/6 اور اے رسولؑ! جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے، دیکھتے ہیں کہ وہ حق ہے۔ اور وہ

---

1 سلامٌ علیہ یعنی اس پر سلام ہو۔ قرآن کریم نے انبیاء پر سلام کہنے کے لئے سَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ o 37/181، سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ 37/79 ،سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ 37/109، سَلٰمٌ عَلٰی مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ o 37/120،اور سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلۡ یَاسِیۡنَ o 37/130 کے الفاظ عطا فرمائے ہیں۔ یحیٰی سلامٌ علیہ کے تذکرہ میں آپ پر سلام ان الفاظ میں کہا گیا ہے:-وَسَلٰمٌ عَلَیۡہِ یَوۡمَ وُلِدَ وَ یَوۡمَ یَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا o 19/15 فلہٰذا اس ترجمہ وتفسیر میں انبیاء کے اسماءِ مبارکہ کے ساتھ سلامٌ علیہ لکھا گیا ہے۔

غالب تعریف کئے ہوئے (اللہ) کے راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔ نیز اسی چیز کی تائید بشہادتِ الٰہی موجود ہے:۔ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ 51/23 آسمانوں اور زمین کے پروردگار کی شہادت ہے کہ بلا شبہ قرآن حق ہے۔

حق کی تعریف

سطور بالا میں آپ قرآنِ حکیم کی داخلی شہادت کی روشنی میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ رسول کریم سلامٌ علیہ پر قرآن نازل ہوا، جو سرتاپا حق ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے، حق کی تعریف کیا ہے؟ عربی زبان میں ہر اس چیز کو، جو اس طرح بشکل مشہود موجود ہو کہ اُس کے وجود سے دوست دشمن اور موافق ومخالف کسی کو مجالِ انکار نہ ہو' اُسے حق کہا جاتا ہے۔ مثلاً جب شکاری کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھے اور شکار مجرُوح حالت میں سامنے پڑا ہو تو عربوں کے ہاں کہتے ہیں۔ رَمٰی فَاَحَقَّ الرَّمِیَّۃَ نیز اونٹنی کا حمل جب اس طرح نمایاں ہو جائے کہ کوئی انکار نہ کر سکے تو کہتے ہیں عِنْدَحَقِّ لِقَاحِهَا ۔

اسی طرح چونکہ ارض وسماوات، اور ان میں موجود ہر چیز کا وجود ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے۔ اس لئے یہ پُوری کائنات حق ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ 64/3......اسی طرح ہر وقوعہ کو اُس کی حقیقی جزئیات سمیت حق کہا جاتا ہے۔ اور وہ الفاظ جن سے اُس وقوعہ کا ٹھیک ٹھیک اور صحیح صحیح اظہار ہوتا ہو' وہ بھی حق کہلاتے ہیں۔ قرآن کریم چونکہ وقوعہ کائنات کی ٹھیک ٹھیک خبر دیتا ہے، چونکہ اس کے الفاظ اس کی صحیح صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ اس لئے یہ بھی حق ہے۔ چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اسی طرح قرآن کریم کے متعلق بھی ارشاد ہوا ہے:۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ 3/3 = اے رسولؐ! اللہ نے آپ پر نا قابل انکار حقائق سے معمور ایک مُقدّس کتاب نازل فرمائی ہے۔

تفاسیر کے ڈھیر:۔

اسی حق کی تفسیر القرآن باٰیت الفرقان کی خدمت کیلئے آج ہم میدانِ عمل میں اُتر رہے ہیں۔لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس سے پہلے کوئی تفسیر موجود نہیں، کہ اس کام کیلئے زرِکثیر کا بوجھ بھی اٹھایا جائے اور وقت بھی خرچ کیا جائے؟ اِس سوال کا جواب جگر تھام کر سننا پڑے گا......گذارش ہے کہ اس سے پیشتر متقدمین ومتاخرین کی تفسیروں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔اور ایک ایک تفسیر کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔

مثلاً:۔

تفسیر ابن جریرؒ طبری 30 جلدوں کی ہے اور تفسیر امام غزالیؒ 20 جلدوں کی

اسی طرح:۔

تفسیر امام ابن جوزیؒ 40 جلدوں پر مشتمل ہے اور تفسیر ابن النقیب 50 جلدوں پر

تفسیر الافودی 120 جلدوں کی ہے اور تفسیر حدائق ذات بہجتہ 500 جلدوں کی

تفسیر مدارک التنزیل کی 7 جلدیں ہیں، اور معالم التنزیل اور تفسیر کبیر کی آٹھ آٹھ۔ روح المعانی کی نو جلدیں ہیں۔اور تفسیر مریسی کی 24۔ کتاب الجامع فی التفسیر کی 30 جلدیں ہیں اور کتاب التحریر والتجیر کی 50 سے بھی زائد۔

تفسیر کے طالب علم کی زندگی ختم ہو جائے گی تفسیریں ختم نہیں ہوں گی:۔

اس کے علاوہ بغوی، بیضاوی، کشاف،سخاوی،بلقیسی، بقاعی،فراہی،شوکانی ،مہائمی، ابن تیمیہ، ماوردی،ابنِ مُنذر، ابنِ حیان، ابن فورک اور ابن ابو طالب مکی وغیرہ جیسی سینکڑوں تفاسیر پانچ پانچ اور سات سات جلدوں پر مشتمل اس عظیم ذخیرے کی صورت میں موجود ہیں کہ ان سب کا مطالعہ کرنا، اوران کے مندرجات کو

محض سرسری نگاہ سے دیکھنا بھی انتہائی مشکل ہے ۔۔اگر کوئی شخص متقدمین ومتاخرین کی تفاسیر سے استفادہ حاصل کرنے کا ارادہ کر بیٹھے، جن میں کئی کئی سوصفحات پر مشتمل پانچ سوجلدوں کی تفسیر بھی موجود ہے، تو اس کی زندگی ختم ہوجائے گی تفسیریں ختم نہیں ہوں گی۔ یہ تو ہیں ابھی متقدمین کی تفسیریں۔ متاخرین میں سے شاہ عبدالقادر، شاہ اشرف علی، شاہ عبدالعزیز، شاہ محمودالحسن، ابوالکلامؒ آزاد، ڈپٹی نذیرؒ احمد، مولوی فیروز الدینؒ، مولوی احمد علی لاہوریؒ اور مولوی ثناء اللہ صاحبؒ امرتسری کی تفاسیر کے علاوہ، تفسیر نعیمی، عزیزی، تفہیم القرآن اور جامع التفاسیر جیسی سینکڑوں تفسیروں کے الگ ڈھیر لگے پڑے ہیں۔

تفسیری اختلافات:۔

ان لاکھوں بلکہ کروڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہزاروں تفسیروں کا اندازِ بیان واحد ہے۔تفسیر ابن جریر کو چونکہ اُمُّ التفاسیر مانا گیا ہے۔اس لئے سب تفسیریں قریب قریب اسی تفسیر کا پرتَو ہیں اور چونکہ تفسیر ابن جریر کا ماخذ کتبِ روایات ہے۔اور روایات کو چونکہ احادیثِ رسولؐ مانا گیا ہے۔اس لئے یہ ہزاروں کی تعداد کو پہنچنے والی تفسیریں، اگرچہ متفقہ طور پر یہ فیصلہ نہیں دے سکتیں کہ 2/102 میں مذکور افراد ہاروت و ماروت شیطان تھے یا فرشتے، لیکن پھر بھی ان سب کو رسولی تفسیریں ہی مانا جاتا ہے۔حالانکہ قرآنِ کریم کی شہادت سے، جو آگے آرہی ہے، ثابت ہوتا ہے کہ رسول مقبول سلامٌ علیہ کا تفسیری انداز صرف اور صرف تفسیر القرآن بالقرآن تھا۔

برادران اسلام! اس دعوے کی دلیل تو قرآنی آیاتِ کریمات کی روشنی میں آگے چل کر اپنے مقام پر پیش کی جائے گی۔ پہلے آپ اُس اعتراض کا جواب ملاحظہ فرمائیں جو تفسیر القرآن بالقرآن کے عنوان پر بالفاظ ذیل پیدا ہوسکتا ہے کہ:۔

قرآنِ کریم کی تفسیر، اور خود قرآنِ کریم کے ساتھ؟

نیز کیا خود رسولِ مقبولؐ بھی قرآنی تفسیر کے لئے، قرآنِ کریم ہی کے محتاج تھے؟ کیا نبی کریمؐ اپنی رائے کے ساتھ تفسیر نہیں فرمایا کرتے تھے؟

برادرانِ عزیز! اِن حالات میں، کہ جہاں قرآنِ کریم کو مجمل، غیر مفصّل اور کتبِ روایات کا محتاج مانا جاتا ہو یہ سوال ایک اچنبھے کی صورت میں اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ کیا قرآن اپنی تفسیر آپ کرسکتا ہے؟ ۔۔ اس سوال کے جواب کے لئے سطور ذیل پر باندازِ تعمق غور فرمائیں:۔

یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ کسی کتاب کی تفسیر وہ شخص کرسکتا ہے جو علمی لحاظ سے، یا تو صاحبِ کتاب سے افضل حیثیت کا حامل ہو۔ اور یا کم از کم اسی علمی سطح پر فائز ہو، جو خود صاحبِ کتاب کی ہے۔ لیکن قرآن کریم چونکہ کتاب ہے اللہ تعالیٰ کی اور کوئی فرد و بشر، علم کی رُو سے نہ اُس سے افضل ہوسکتا ہے نہ اُس کی علمی سطح کا۔ فلہٰذا اس چیز کا سوال تک پیدا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا مُفسّر کوئی بشر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ اپنی کتاب کے مُفسّر بھی ہم خود ہیں:۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ہ 25/33

(مفہوم) صاحبِ قرآن! لوگ آپ کے پاس قرآن کی مثل نہیں لائینگے۔ مگر ہم ہی ہیں جو آپ کے پاس حق (قرآن) اور اِس کی احسن تفسیر لاتے ہیں فلہٰذا آگے بڑھنے سے پہلے اس مسلّمہ کو ذہن میں محفوظ کر لیجئے گا کہ قرآن، کتاب ہے اللہ

تعالیٰ کی۔ نہ کوئی فرد و بشر علم کے لحاظ سے اللہ سے افضل ہے نہ برابر۔ اس لئے اس کی کتاب کا مُفسّر کوئی بشر نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنی کتاب کا مُفسّر بھی خود آپ ہے جیسے کہ اُس نے قرآنِ کریم پر تدبّر و تفکر کرنے والوں کے لئے بتکرار کثیر اعلان کر دیا ہے کہ اپنی آیتوں کی تفسیر و تفصیل بھی ہم خود ہی کرتے ہیں:۔

❁ كَذَالِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ o10/24 = اسی طرح تفکر کرنے والوں کے لئے اپنی آیتوں کی تفصیل ہم خود کرتے ہیں۔

❁ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ o6/98 = بیشک ہم نے تفقّہ کرنے والوں کے لئے اپنی آیتوں کی خود تفصیل کر دی ہے۔ اور ساتھ ہی قرآن کریم پر تدبر کرنا فرض قرار دے کر عدم تفکر کیلئے سخت تنبیہ فرمائی ہے:۔

❁ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا 47/24 = پس لوگ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے۔ کیا اُن کے ذہنوں پر اس کی طرف سے تالے پڑے ہوئے ہیں؟ (یعنی لوگوں کو چاہیے کہ ذہنوں پر تقلید کے تالے نہ ڈالیں بلکہ قرآن میں تدبر کیا کریں) نیز فرمایا:۔

❁ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ o 38/29

(مفہوم):۔ اے رسولؐ! آپ کی طرف ایک مبارک کتاب نازل کی گئی ہے۔ جس کی ایک غرضِ نزول یہ ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر تدبر کیا کریں۔ اور عقل والے اِس سے نصیحت حاصل کرتے رہیں...... **غور فرمائیے گا!** آیاتِ بالا سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم پر تدبّر و تفکر نہ کرنا منشاءِ الٰہی کے خلاف ہے...... نیز تدبّر فی القرآن کو قیامت تک کے لئے جاری رکھا گیا ہے، جس پر اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ 47/24+4/82 اور لِيَدَّبَّرُوْا 38/29 کے الٰہیہ الفاظ،

قیامت تک کیلئے قرآن کریم میں بطورِ شاہد موجود رہیں گے۔لہٰذا ذہن کوکسی سابقہ دَور کے تدبّر وتفکر کے تالوں کے ساتھ مُقفل کر لینا،قرآن کریم کی لامحدود وسعتوں کو محدود کرنے کے مصداق ہے۔

تفقّہ فی القرآن کا قرآنی طریقہ

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم پر تدبر وتفقہ کا طریقہ کیا ہے؟......کیا آیاتِ قرآنیہ کی تفصیل وتفسیر کیلئے ان غیر قرآن کتابوں کی طرف رُجوع کیا جائے گا، جو ایک ایک آیت کے کئی کئی شانِ نزول اور کئی کئی تفسیریں پیش کرتی ہیں؟۔

اس سلسلے میں آپ 25/33 کا اعلانِ الٰہی اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ قرآن کریم کی تفصیل وتفسیر خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہے۔لہٰذا تفسیر زیرِ نظر میں اللہ تعالیٰ کی اپنی فرمائی ہوئی تفسیر کو چھوڑ کر، جو خود قرآنِ کریم میں موجود ہے، کسی غیر قرآن تفسیر کی طرف رُخ نہیں کیا گیا۔اوراس سوال کا جواب کہ آیتِ قرآنیہ کی تفصیل وتشریح کا طریقہ کیا ہے؟ ...... یہ بھی قرآنِ کریم کی اپنی ہی زبان میں ملاحظہ فرمائیں کہ اس کتابِ مُقدّس کے نازل کرنے والے نے اہلِ عالم کے لئے اپنی کتاب کا طریقۂ تفقّہ اور تدبّر بھی خود واضح کر رکھا ہے:-

الف۔ ❁ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَفۡقَهُوۡنَ o 6/65.

(مفہوم) صاحبِ قرآن!غور فرمایئے گا،ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔تاکہ لوگ ان میں تفقّہ کریں......نیز فرمایا:۔

ب۔ ❁ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ ثُمَّ هُمۡ یَصۡدِفُوۡنَ o 6/46

(مفہوم) صاحبِ قرآن غور فرمایئے گا،ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔پھر لوگ ہیں کہ (تصریفِ آیات سے) اعراض کرتے ہیں۔

رسولِ اکرمؐ کا طرزِ تدریس اور طریقۂ تفقّہ فِی القرآن بھی تصریفِ آیات ہی تھا۔

آیاتِ بالا کی شق (ا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ:-

❁ قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکیزہ کتاب کی آیتوں کو اس طرح پھیر پھیر کر بیان کیا ہے کہ اس سے تفقّہ کے دروازے کھلتے اور تدبّر فی القرآن کی شمعیں روشن ہوتی ہیں۔اور تصریفِ آیات کا اسلوب اختیار کرنے کا مقصدِ عظیم یہ بتایا گیا ہے کہ لوگ تدبر فی القرآن کے لئے تصریفِ آیات ہی کا انداز اختیار کریں۔یعنی ہر آیت کے مفہوم و معانی کی تصدیق دوسری آیاتِ کریمات ہی کے ساتھ کیا کریں (6/65) نیز شق ب میں آپ نے دیکھ لیا ہے کہ:-

❁ تفقّہ فی القرآن کے لئے تصریفِ آیات کے قرآنی اسلوب کو چھوڑ کر کوئی اور طریقۂ تفقّہ اختیار کرنے کو قرآنِ کریم سے فرار قرار دیا گیا ہے۔ (6/46)......پس تصریحاتِ بالا سے بصورتِ حق الیقین ثابت ہوا کہ خود قرآنی ہدایات کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر و تبیین کا واحد طریقۂ تصریفِ آیات ہے۔اب اس سلسلے کا آخری اور اہم ترین سوال یہ ہے کہ خود حاملِ قرآن، رسولِ عربی سلامٌ علیہ کا طرزِ تدریس اور طریقۂ تفقّہ فی القرآن کیا تھا؟......کیا آپ بھی تصریفِ آیات ہی کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے، یا آپ کا طریقۂ تفقّہ تفسیر بالرّائے کا حامل تھا؟............اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریمؐ کی طرف ایک مخصوص خطاب فرماتے ہوئے باندازِ ذیل دے رکھا ہے:-

❁ وَكَذَالِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ 6/105

(مفہوم) اور اے رسولؐ! ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے

ہیں (تاکہ آپ تصریفِ آیات کے ساتھ درس دیا کریں) اورتاکہ لوگ کہہ اُٹھیں کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے۔اور (تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ ہے) تاکہ ہم عقل مندوں کے لئے اپنی آیتوں کی خود تبیین کردیں۔فلہٰذا بدرجۂ اتم ثابت ہوا کہ رسولِ اکرم اس قرآنی حکم کے مطابق تصریفِ آیات ہی کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔یعنی آپ کا طریقۂ تفقّہ بھی تصریفِ آیات ہی تھا۔

رسولؐ کا فریضہ تبیینِ قرآن قرآن کہتا ہے کہ تبیینِ قرآن رسولِ کریم سلامٌ علیہ پر فرض کی گئی تھی۔ چنانچہ سورۂ نحل میں خود رسولِ کریمؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے:-

❁ وَاَنۡـزَلۡنَاۤ اِلَيۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ 16/44= اور اے رسولؐ! ہم نے آپ کی طرف اپنا نصیحت نامہ اس لئے نازل فرمایا ہے کہ جو ضابطۂ حیات، نوعِ انسانی کی طرف نازل کیا گیا ہے، آپ اُسے لوگوں پر نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کردیں............اس آیۂ جلیلہ سے بعض لوگ، قرآن سے الگ رسولی تفسیر کا وجود ثابت کرتے اور کتبِ روایات کو رسولی تفسیر ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس نظریئے کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو رسولِ کریمؐ آیتِ مجیدہ 16/44 کے عامل ثابت نہیں ہوتے۔ کیونکہ کتبِ روایات میں قرآنِ کریم کی بائے بسم اللہ سے سینِ والناس کی تفسیر ہے ہی نہیں۔ جیسے کہ بخاری شریف کے، اگرچہ قرآن کے تیس پاروں کے مقابلے پر پورے تیس پارے ہیں۔لیکن کوئی پارہ کسی پارے کی تفسیر و تبیین پر مشتمل نہیں۔ حالانکہ مذکورہ نظریہ کے مطابق چاہیے یہ تھا، کہ بالترتیب ہر پارہ ہر پارہ کی تفسیر و تبیین ہوتا .... واضح رہے کہ 16/44 کے مطابق تبیینِ قرآن چونکہ آپ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔اس لئے آپ کے مناصب جلیلہ میں سے ایک منصب یہ بھی ہے کہ آپ قرآنِ کریم کو صرف پڑھ کر ہی نہ سنائیں۔ بلکہ اس کی تشریح و تبیین بھی فرمایا کریں۔ رسولِ کریمؐ کے اس منصبِ عظیمہ کی وضاحت 6/105 کی

روشنی میں اوپر گزر چکی ہے کہ آپ تصریفِ آیات کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے، یعنی آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر وتصریح آیاتِ قرآنیہ ہی کے ساتھ کر کے 16/44 اور 6/105 ہر دو آیاتِ کریمات کے احکام سے سبکدوش ہو جاتے اور چونکہ آپ کی فرمائی ہوئی تفسیر، تصریفِ آیات کی صورت میں قیامت تک کے لئے خود قرآن کریم میں محفوظ ہے اس لئے آپ نے اُمت کو رسولی تفسیر کے نام سے کوئی الگ کتاب بھی نہیں دی تھی اور فریضۂ تبیین سے عہدہ برا بھی ہو چکے تھے۔

اس کے برعکس جن کتابوں کو رسولی تفسیر بتایا جاتا ہے۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ کسی آیتِ مجیدہ میں جو امر تفسیر طلب ہوتا ہے اس کی طرف رُخ تک نہیں کیا جاتا۔ جیسے کہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ 2/31 میں تفسیر طلب یہ امر ہے کہ آدمؑ کو کونسے نام سکھائے گئے تھے، لیکن بخاری شریف میں اس کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ:- قیامت کو لوگ آدمؑ کے پاس شفاعت کے لئے جائیں گے لیکن وہ کہیں گے مجھے اپنا گناہ یاد آ رہا ہے، تم نوحؑ کے پاس جاؤ۔ (ملخص بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد دوم کتاب التفسیر صفحہ 710) اب بتائیے کیا اس نام نہاد رسولی تفسیر نے بتایا ہے کہ وہ اسماء کیا تھے، جو آدم کو سکھلائے گئے تھے؟

حالانکہ آیتِ بالا 16/44 میں قرآن کی تبیین رسولِ کریمؐ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ اور 6/105 میں قرآنی اسلوبِ تصریفِ آیات کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ آپ متنازعہ مسائل اور متنازعہ الفاظ کی تشریح، تصریفِ آیات کے ساتھ فرمایا کریں۔ لیکن نام نہاد رسولی تفسیر رسولِ کریمؐ کو اس فرض سے غافل قرار دیتی ہے۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ کتبِ روایات کو رسولی تفسیر ٹھہرانے والا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے ہی اسماءِ گرامی ہیں جو آدمؑ کو سکھائے گئے تھے۔ اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ انہیں بارہ اماموں کے نام سکھلائے گئے تھے، حالانکہ تصریفِ آیات کی رُو سے حقیقت دونوں کے برخلاف ہے۔ (وضاحت اپنے مقام پر آگے آئے گی)۔ یاد رہے کہ خود رسولِ کریمؐ

سمیت، قیامت تک کے لوگوں کے لئے آیاتِ قرآنیہ کے طریقۂ تبیین کی وضاحت 6/65 میں اور رسولِ کریمؐ کے طرزِ تدریس کی صراحت 6/105 میں موجود ہے، جہاں ہر مُفکّرِ قرآن کے لئے تفسیر بالرّائے کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ فلہٰذا تفسیر القرآن میں انسانی رائے کو ہرگز ہرگز دخل نہیں۔ قرآن کی تفسیر تصریفِ آیات کی مدد سے خود قرآن کریم کے ساتھ کرنا ہی منشاءِ الٰہی ہے۔ جیسے کہ اسی سورۂ نحل کی آیتِ مجیدہ 16/44 وَاَنزَلنَاۤ اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ سے آگے 16/89 میں اللہ عزوجل نے رسولِ کریمؐ کو مخاطب کر کے اسی امر کی تصدیق فرمائی ہے کہ آپ پر جو کتاب نازل فرمائی گئی ہے۔ وہ ہر مسئلے کی وضاحت خود کرتی ہے۔ کسی انسانی تفسیر کی محتاج ہرگز نہیں:۔

❁ وَنَزَّلنَا عَلَیکَ الکِتٰبَ تِبیَانًا لِّکُلِّ شَیءٍ 16/89.

(مفہوم) اور اے رسولؐ! ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، جو خود ہی ہر مسئلہ کی تشریح وتبیین کرنے والی ہے۔

قرآن کریم کے ساتھ کوئی غیر اللہ کتاب ہرگز ہرگز واجبُ الاتّباع نہیں

دیکھا آپ نے! کہ باری تعالیٰ نے آیتِ بالا میں اپنی کتاب کی اکملیت، اور اِس کے اپنی تفسیر آپ ہونے کی تصدیق کس وضاحت کے ساتھ کر دی ہے۔ فلہٰذا بالصراحت ثابت ہوا کہ خود رسولِ اکرم سلامٌ علیہ بھی، تصریفِ آیات کے الٰہی حکم 6/65 اور 6/105 کے مطابق، اپنے درسوں میں اس کتاب کی تفسیر، خود اسی کے ساتھ ہی فرمایا کرتے تھے، جو خود تِبیَانًا لِّکُلِّ شَیءٍ ہے۔ اور چونکہ یہ کتاب خود مکمل، مفصّل اور مُفسّر ہے۔ اور کسی بھی انداز سے کسی غیر اللہ کتاب کی محتاج نہیں، اسی لئے

اللہ علیم وخبیر نے پوری اُمت مسلمہ کے لئے قرآنِ حکیم کے سِوا کسی اور کتاب کو واجب الاتباع ٹھہرایا ہی نہیں۔ بلکہ غیر اللہ کتابوں کے خیر خواہوں کی اتباع سے مطلقاً روک دیا ہے:-

❁ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ط 7/3

(مفہوم) ایمان والو! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے جو (کتاب) نازل کی گئی ہے اُس کی اتباع کرو۔ اوراس کے سِوا غیر اللہ کتابوں کے خیر خواہوں کی اتّباع ہرگز نہ کرنا.......... دیکھئے گا! اس آیتِ مجیدہ پر غور کرنے سے یہ چیز نکھر کر عیاں ہورہی ہے۔ کہ جب قرآن کریم کے سِوا کوئی اور کتاب واجب الاتباع ہے ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم نوعِ انسانی کی جملہ ضروریات کے لئے کافی ہے۔ اگر یہ تفسیری ضروریات کی رُو سے ناکافی ہوتا تو "وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ" کے بعد استثنٰی کے طور پر "اِلَّا اَوْلِيَآءَ كُتُبِ التَّفَاسِيْر" یا "اِلَّا اَوْلِيَآءَ كُتُبِ الرَّوَايَات" آنا چاہیئے تھا.......... لیکن جیسے کہ متعدّد آیاتِ کریمات میں اعلان کیا جاچکا ہے کہ یہ کتاب، اپنی تفسیری اور تشریحی ضروریات تک کے لحاظ سے بھی کسی غیر اللہ کتاب کی محتاج نہیں، تو ثابت ہوا کہ 25/33 کے الٰہی اعلان کی رُو سے، کہ قرآن اور اِس کی احسن تفسیر ہم خود لاتے ہیں، قرآنی تفسیر کے لئے تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز ہی منشاءِ الٰہی کے عین مطابق ہے۔ اور 6/105 کی الٰہی خبر کی روشنی میں، کہ رسولِ کریمؐ تصریفِ آیات ہی کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ تصریفِ آیات کا انداز ہی عین رسولی ہے۔ بالفاظِ دیگر رسولِ کریم سلامٌ علیہ کی قرآنی تفسیر خود قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ یعنی ہر متنازعہ آیتِ مجیدہ کا مفہوم قرآن کریم کی دوسری آیاتِ کریمات کو بطور شاہد لاکر اخذ کرنا ہی سُنّتِ رسولؐ ہے۔ یعنی کسی بھی آیت کی تفسیر وتشریح کے لئے غیر اللہ کتابوں کا رُخ کرنا نہ منشاءِ الٰہی ہے نہ سُنّتِ رسولؐ۔

قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد کی اتباع لازم ہے

گذشتہ صفحات میں بتایا جاچکا ہے کہ سابقہ تراجم وتفاسیر ایک دوسری سے بھی مختلف ہیں۔اور خود اپنے اپنے دامن میں بھی، شکمی اختلافات کے ذخائر سمیٹے ہوئے ہیں۔جس سے حق وصداقت کے متلاشی افراد سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ:-

❁ روایات کی مدد سے کی گئی یہ موجودہ تفسیریں ثنائی، موضح القرآن، عزیزی اور نعیمی وغیرہ سب رسولی تفسیریں ہیں۔اور دوسری طرف ان رسولی تفسیروں میں اس قدر تضاد وتخالف ہے کہ تفسیر ثنائی ہاروت ماروت کو شیطان کہتی ہے، لیکن موضح القرآن انہیں فرشتے بتاتی ہے 2/102۔ ولی اللہی تفسیر، جس ضمیر کا مرجع سورج ٹھہراتی ہے، تفسیر ثنائی اُسے گھوڑوں کی طرف لے جاتی ہے۔

''حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ'' 38/32......اور تفسیر ثنائی، جن الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی محبت مُراد لیتی ہے، موضح القرآن اُنہی سے اللہ کے ذکر سے غفلت قرار دیتی ہے۔'' اِنِّیٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ 38/32''...... حتی کہ ان تفاسیر وتراجم میں حروف کے مقامی معنوں تک باہمی اختلاف موجود ہے=''وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَا بِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ 2/102'' کے مَآ کو تفسیر ثنائی نافیہ ٹھہرا کر یہ تاثر دیتی ہے کہ بابل شہر کے ہاروت ماروت دو شیطان تھے۔ان پر کچھ نازل نہیں ہوا تھا۔اور اشرفی، نعیمی، عزیزی وغیرہ تفسیروں نے اس مَـــا کو موصولہ گردان کر یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جادو نازل ہوا تھا۔العیاذ باللہ!

❁ یہ تو ہوا ان مختلف تراجم وتفاسیر کا ایک دوسری کے ساتھ شدّتِ تضاد وتخالف کا عالم، جن میں سے ہر ایک کو صرف اس لئے رسولی تفسیر کہا جاتا ہے کہ یہ سب کتبِ روایات کی مرہونِ منت ہیں......لیکن جب ان میں سے ایک ایک پر الگ الگ غور

کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کی سب شکمی اختلافات سے بھی معمور ہیں۔کہیں لکھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ گمراہوں کوسخت سزا دینے والا ہے، وَاللّٰہُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ o 3/11 اور کہیں یہ تاثر دیتی ہے کہ خود اللہ ہی گمراہ کرتا ہے۔اور جسے وہ گمراہ کردے، اُسے کوئی راہ دکھلانے والانہیں= وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَالَهٗ مِنۡ هَادٍ o 39/36۔ تو اِس طرح اِن تفاسیر وتراجم سے یہ تصوّر جنم لیتا ہے کہ معاذ اللہ استغفر اللہ، اللہ تعالیٰ خود ہی گمراہ کرتا ہےاور خود ہی شدید سزا کی وعید سناتا ہے۔

❁ اِسی طرح سابقہ تراجم میں کہیں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ہر شخص کا حصہ وہی ہے۔جتنی کہ وہ خودکوشش کرتا ہے=وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی 53/39o اور کہیں یہ کہ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے۔اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے=یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ 42/12o

❁ ایک طرف یہ تفاسیر وتراجم یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ پورے عالمین کی ربوبیّت کرنے والا ہے،اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o 1/1 ،اور ہر ذی جان کا رزق اللہ کے ذمہ ہے،وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزۡقُهَا 11/6 ۔اور دوسری طرف مشاہداتِ عالم میں اِس مفہوم کی عملاً تکذیب پائی جاتی ہے۔کیونکہ ایک ایک قحط میں لاکھوں انسان اور کروڑوں مویشی علماء کرام کی نگاہوں کے سامنے بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرتے پائے جاتے ہیں۔

حقیقت حال

تو اس طرح جو شخص قرآنِ حکیم کی ان تفاسیر وتراجم سے استفادہ کی کوشش کرتا ہے۔اُلٹا بحرِ استعجاب میں غرق ہوکر رہ جاتا ہے۔کہ کیا یہ مختلف ومتضاد مفاہیم اُسی مُقدّس کتاب کے ہیں جس کی داخلی شہادت یہ ہے کہ اس میں تضاد وتخالف کا گزر تک نہیں۔گزر تک کیوں نہیں؟............اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل

کردہ ہے۔

❁ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا o ‘4/82
اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں کثیر اختلافات موجود پاتے۔
حقیقت یہ ہے کہ قرآنی دعوؤں کی پامالی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو سمجھنے کے جو اصول خود بیان فرمائے ہیں۔ اُن سے مطلقاً اعراض کرتے ہوئے، قرآنِ حکیم کی تفسیر اُن کتابوں کو ٹھہرالیا گیا ہے جن کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کی رسولی اور پیغمبرانہ تفسیر ہیں۔ لیکن ان کتابوں کا اپنا اعلان یہ ہے کہ ان کے مندرجات، عن فلاں عن فلاں کی روایت سے رسولِ کریمؐ کی طرف منسوب ہیں۔

کیا سیّدنا عمرؓ قرآن کی تفسیر رسولِؐ مقبول سے بہتر جانتے تھے؟

افسوس ہے کہ ذخیرۂ روایات کو، اگر قرآن کی رسولی تفسیر مانا جائے، تو صاحبِ قرآن سلامٌ علیہ کو قرآن فہمی کے اُن اصول وقواعد سے معاذ اللہ معاذ اللہ بے خبر ماننا پڑتا ہے، جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر محفوظ کر رکھے ہیں۔ یہ اصول وقواعد تو بالترتیب، عنقریب پیش کئے جائیں گے۔ پہلے آپؐ کی طرف منسوب کردہ تفسیر کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ جو بخاری شریف کے الفاظ میں یہ تاثر دیتا ہے کہ آپ سلامٌ علیہ کے مقابلے پر عمرؓ قرآن کی بہتر تفسیر جانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ آپؐ کی تفسیر کی بجائے عمرؓ کی تفسیر کی تائید فرماتا تھا۔ چنانچہ آیتِ ذیل پر پہلے خود غور کریں۔ اور پھر بخاری شریف میں درج اس کی رسولی اور فاروقی تفاسیر کا تقابل ملاحظہ فرمائیں:-

❁ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط o 9/80

(مفہوم) اے رسولؐ! ان (منافقین) کے لئے آپ مغفرت طلب کریں یا نہ

کریں (ہمارے لئے برابر ہے) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی مغفرت طلب کریں گے۔تو پھر بھی اللہ تعالیٰ اُنہیں معاف نہیں کرے گا۔......آیتِ مجیدہ کے الفاظ سے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ آپ سلامٌ علیہ کو منافقین کے لئے طلبِ مغفرت سے منع کر دیا گیا ہے۔کیونکہ جس عمل کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہو، اللہ کے رسولؐ سے اُس فعلِ بیکار کا ارتکاب ہرگز ممکن نہیں۔خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ آپ پر واضح کر دیا گیا ہو کہ اس کا کرنا اور نہ کرنا مساوی ہے۔لیکن بخاری شریف کی ایک روایت یہ تاثر دیتی ہے کہ آپؐ نے اپنے ذہن میں اس آیت کی یہ تفسیر محفوظ فرما رکھی تھی، کہ آپ کو اختیار دے دیا گیا ہے کہ چاہیں تو منافقوں کے لئے طلبِ مغفرت فرمائیں۔اور چاہیں تو نہ فرمائیں......لیکن عمرؓ نے اس آیت سے یہ مفہوم اخذ فرمایا کہ آپؐ کو منافقین کے لئے طلبِ مغفرت سے مطلقاً روک دیا گیا ہے۔مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس کی تفسیر کو صحیح قرار دیا۔اور کس کی تفسیر کو غلط ٹھہرایا اس کے لئے بخاری شریف کے باب الجنائز میں درج، ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں روایات کے بتائے ہوئے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی دعائے میت (نمازِ جنازہ) کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔طوالت کے خوف سے روایت کے متن کی بجائے، علماءِ روایات کا خود نوشت ترجمہ پیش خدمت ہے:-

''مسدّد، یحییٰ بن سعید، عبیداللہ، نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی (منافق) جب مرا تو اُس کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں اپنا کرتہ عنایت کیجیئے، کہ ہم اس میں اُس کا کفن بنائیں اور آپ اُس پر (جنازے کی) نماز پڑھیں۔اور اس کے لئے دعائے مغفرت کریں۔نبی صلعم نے اس کو اپنا کرتہ عنایت کیا اور فرمایا کہ مجھے خبر دینا تو میں نماز پڑھا دوں گا۔جب آپ نے اُس پر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا۔تو عمرؓ نے آپ کو کھینچا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے (9/80)۔آپ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں کا

اختیار دیا گیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ) تم اِن کے لئے دعائے مغفرت کرو یا نہ کرو۔ اگر تم ان کے لئے ستر بار بھی دعائے مغفرت کرو گے تو بھی اللہ تعالیٰ اُنہیں نہیں بخشے گا۔ چنانچہ آپ نے اس پر نماز پڑھی تو یہ آیت اتری (وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا 9/84) اور ان میں سے کسی پر کبھی بھی نماز نہ پڑھنا جب کہ مر جائیں۔

(مترجم بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد اول صفحہ 485)

دیکھا آپ نے!

یہ ہے بخاری شریف کی پیش کردہ رسولی تفسیر کا نمونہ، کہ آیتِ مجیدہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط کے اندازِ بلاغت سے عمرؓ تو سمجھ جائیں کہ رسولؐ کو منافقین کے لئے دعائے مغفرت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ بلکہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے مطلقاً منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن خود صاحبِ قرآن، قرآنی اندازِ فصاحت و بلاغت سے اُلٹا مفہوم اخذ فرمائیں کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط کے الفاظ میں آپ کو منافقوں کے لئے طلبِ مغفرت کرنے یا نہ کرنے کے دونوں اختیار عطا فرمائے گئے ہیں۔ اور اس اُلٹ مفہوم کی بنا پر، عمرؓ کے منع کرنے، بلکہ مُصلّے پر سے کھینچنے کے باوجود 9/80 کی مخالفت کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ عمرؓ کے فہمِ قرآن کی تصدیق، اور معاذ اللہ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ معاذ اللہ آپؐ کے فہمِ قرآن کی تکذیب کرتے ہوئے، اس امر کی وضاحت کے لئے کہ آپ 9/80 کا مفہوم نہیں سمجھ پائے یہ آیت نازل کرے:-

❁ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا 9/84 = اور منافقوں میں سے کوئی مر جائے تو اُس پر کبھی بھی صلوٰۃ (دُعاءِ میت) نہ فرمانا۔ اور اُس کی قبر پر بھی کبھی کھڑے نہ ہونا۔ وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط 9/84۔

المختصر! ابتدا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کی نوعِ

انسانی کے لئے ضابطۂ حیات کے طور پر، جو آخری کتاب قرآنِ حکیم، رسولِ عربی سلامٌ علیہ کے ذریعہ نازل فرمائی ہے۔ اس کی تفصیل وتفسیر خوداس کے اندر ہی موجود و محفوظ کر دی گئی ہے۔ کتبِ روایات اس کی نہ تفسیر ہیں نہ تفصیل۔ اور مروّجہ تراجم و تفاسیر میں باہمی اختلاف، اور ہر ایک کے اندر شکمی تضاد کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فہمیدِ قرآن کے جو اصول وقواعد خود واضح کئے ہیں اُن پر توجہ دینے کی بجائے روایات کے اُس ذخیرے کو قرآنِ کریم کی رسولی تفسیر تسلیم کر لیا گیا ہے جس سے اُمت میں فرقہ بندی نے راہ پائی ہے۔ اور وہ ہر فرقہ کے لئے رسولی تفسیر کے نام سے اُس کی ضرورت کا مواد مہیا کرتا ہے۔ اگر فہمیدِ قرآن کے قرآنی اصول وقواعد نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتے۔ اور قرآنِ کریم کی تفسیر کے لئے تفسیر القرآن بالقرآن کے انداز پر عمل کیا جاتا۔ تو نہ اُمت میں فرقوں کا وجود پیدا ہوتا۔ اور نہ ایک ایک آیت کے متعدّد مختلف اور متضاد معنے لئے جاتے۔

ایک اہم نوٹ:

ذیل میں قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد، قرآنی دلائل و براہین کے ساتھ بالترتیب نمبروار بیان کئے جارہے ہیں۔ اور قارئینِ تفسیر القرآن بالقرآن پر واضح کیا جاتا ہے کہ اس ترجمہ اور تفسیر میں تفسیر بالرائے کو ہرگز ہرگز راہ نہیں دی گئی، ہر مقام پر فہمیدِ قرآن کے قرآنی اصول وقواعد کی حدود و قیود کی پوری پوری پابندی کی گئی ہے۔

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ O 3/173 نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ O 8/40

اب ملاحظہ فرمائیں خود قرآن کریم کے آئینے میں قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد

1. قرآن کی زبان عَرَبِیٌّ مُّبِیۡن ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

❁ اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ o 43/3

مفہوم: بے شک ہم نے اس (اپنی نازل کردہ کتاب) کا پڑھنا عربی (شستہ) زبان میں ٹھہرایا ہے تا کہ تم سمجھ سکو۔

نیز فرمایا:-

❁ وَاِنَّہٗ لَتَنۡزِیۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ o عَلٰی قَلۡبِکَ لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ o بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ o 195-26/192

مفہوم:۔ اور بے شک قرآنِ کریم کا نازل کیا جانا، واضح اور شستہ عربی زبان میں رب العٰلمین کی طرف سے ہے۔ روح الامین اسے لے کر آپ کے قلب اطہر پر نازل ہوا۔ تا کہ آپ انبیاءؑ کی اس مُقدّس جماعت میں سے ہو جائیں، جو نوعِ انسانی کو ان کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنیوالی تھی۔

فلہٰذا قرآن فہمی کا پہلا اصول[1] یہ ہے کہ عربی زبان کے اصول وقواعد، اس کے سہ حرفی مادوں، اور عربی گرائمر کو ہرگز ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے۔ اِس ترجمہ اور تفسیر میں

---

[1] (لفظ اصول جمع کا صیغہ ہے۔ جسکا واحد اصل ہے۔ اردو میں اس لفظ اصول کا عمومی استعمال بطور واحد مروّج ہے۔ اسلئے بطور واحد استعمال کیا گیا ہے۔)

اِن اُمور کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے

قرآن کریم زمانۂ جہالت کے لٹریچر کا محتاج نہیں:۔

آیاتِ بالا کے ان الفاظ سے، کہ قرآن ایسی واضح عربی میں نازل ہوا ہے جو خود مبین ہے یہ امر نکھر کر عیاں ہو رہا ہے کہ قرآن کی عربی میں نہ کوئی ابہام ہے نہ لسانی پیچیدگی ہے۔ ایسی زبان مرکزی شہروں کی ہوتی ہے۔ جہاں علم وادب کے چرچے رہتے ہیں۔ دیہاتی اور بدوی زبان کو لِسَانٌ **عَرَبِیٌّ مُّبِیْن** ہرگز ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ قرآن کریم نازل ہوا تھا **اُمُّ الْقُرٰی مکہ مُعَظّمه** کی مرکزی بستی میں۔لہٰذا شہری (مرکزی) زبان ہی عَـرَبِیٌّ مُّبِیْن ،شستہ اور واضح کہلا سکتی ہے۔ اس کے برعکس بدوی زبان کی حالت آج کے ترقی پذیر دور میں بھی یہ ہے کہ ہر دیہاتی زبان میں شستگی کی بجائے اکھڑ پن پایا جاتا ہے اور تبیین کی بجائے ابہام ہوتا ہے۔ فلہٰذا یہ نظریہ قرآنِ کریم کی میزان پر پورا نہیں اترتا کہ فہمِ قرآن زمانۂ جہالت کے بدوی لٹریچر اور اشعار کا محتاج ہے۔

قرآن کریم کے' سات قرأتوں میں نازل ہونے کا تصوّر قابل قبول نہیں

کتاب الٰہیہ کی ایک ہی زبان ہے **عَـرَبِـیٌّ مُّبِیْن** 26/195، جو اپنی صفت مُبین کے مطابق سو فیصدی فصیح و بلیغ اور ہر قسم کی لسانی پیچیدگیوں سے مبّرا اور منزّہ ہے۔فلہٰذا روایات کا دیا ہوا یہ تصوّر بھی قابلِ قبول نہیں کہ قرآنِ کریم عربوں کے سات قبیلوں کی الگ الگ سات زبانوں، یعنی سات قرأتوں میں نازل ہوا تھا۔اور ان قرأتوں میں معاذ اللہ معاذ اللہ اس قدر لفظی اور معنوی اختلافات موجود تھے کہ ایک قرأت والے دوسری قرأت کو سننے کی تاب بھی نہیں لا سکتے تھے۔جیسے کہ بخاری شریف کتاب التوحید باب قَـوْلَ اللهِ تَـعَـالٰی... فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰن 73/20 کی

رسولی تفسیر، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سیّدنا ہشامؓ کو سورہ فرقان کی تلاوت ایسے الفاظ میں کرتے ہوئے سنا کہ صلوٰۃ ہی میں ان پر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے۔روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

''یحییٰ بن بکیر، لیث، عقیل، ابنِ شہاب، عروہ، مسور بن مخزمہ، عبدالرحمٰن بن عبدالقاری، دونوں سیّدنا عمرؓ بن خطاب سے روایت کرتے ہیں۔ کہ اُن کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے ہشام بن حکیم کو رسالتمابؐ کی زندگی میں سورہ فرقان پڑھتے ہوئے سنا تو دیکھا کہ وہ بہت سے ایسے حروف کیساتھ پڑھ رہے تھے جو رسولِ کریمؐ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔قریب تھا کہ میں صلوٰۃ ہی میں ان پر حملہ کردوں لیکن میں نے صبر کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیرا۔تو میں نے چادر ان کے گلے میں ڈالدی اور کہا، تجھے یہ سورت کس نے پڑھائی ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ نے پڑھائی ہے۔ میں نے کہا جس طرح تم پڑھتے ہو، مجھے تو اس طرح نہیں پڑھایا ہے۔ چنانچہ میں ان کو کھینچتا ہوا رسولؐ اللہ کی خدمت میں لے گیا۔اور عرض کیا میں نے اِن کو سورۃ فرقان اُن طریقوں پر پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے۔آپ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ پھر فرمایا کہ اے ہشام پڑھو جس طرح میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنا تھا۔انہوں نے اسی طرح پڑھا۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ قرآن اسی طرح نازل کیا گیا ہے۔ پھر رسول اللہ نے فرمایا! اے عمرؓ تم پڑھو۔ چنانچہ جس طرح آپ نے مجھے پڑھایا تھا۔اسی طرح میں نے پڑھا۔آپ نے فرمایا کہ قرآن اسی طرح نازل کیا گیا ہے۔ یہ قرآن سات طریقوں پر اترا ہے۔ جو تم سے آسانی سے ہو سکے پڑھو۔ (بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد سوم صفحہ 923'')

برادرانِ عزیز!

کُرّہٗ ارض کے گرد گھوم جایئے۔آپ دیکھیں گے کہ ہر زبان میں شہری اور دیہاتی کا فرق موجود ہے۔ ہر تیس چالیس میل کے بعد زبان کے صرف لب ولہجہ اور

طرز بیان ہی میں فرق نہیں آتا بلکہ الفاظ وحروف بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔لیکن کسی زبان میں الفاظ وحروف کا لاکھ اختلاف موجود ہو۔مگر اس زبان والوں کی تعزیرات و قوانین اُس اکلوتی مرکزی زبان ہی میں ہوتے ہیں، جس کے گرد اس زبان کا علم وادب گردش کرتا ہے۔یہی حال عربی زبان کا ہے۔اس میں بھی مدنی اور بدوی یعنی شہری اور دیہاتی کا فرق موجود ہے۔وہاں بھی ہر تیس چالیس میل کے بعد لب ولہجہ اور الفاظ وحروف تک کا تغیّر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آیاتِ بالا 2 / 3 4اور 26/192-195 میں اسی چیز کی خبر دی گئی ہے کہ عربی زبان اگرچہ سُنّتُ اللہ کے مطابق مختلف زبانوں میں بٹی ہوئی ہے۔لیکن ہم نے اپنے قانون کی کتاب **عَرَبِیٌّ مُّبِیْن** شُستہ اور واضح مرکزی زبان میں نازل فرمائی ہے۔فلہٰذا مندرجہ بالا روایت کا مقصد عیاں ہے۔کہ اگر اسے حدیث رسولؐ مانا جائے تو قرآن کریم پایۂ اعتبار سے گر جاتا ہے۔کہ یہ سات قسم کے مختلف ومتضاد الفاظ میں نازل ہوا تھا جو الفاظ تم خود چاہو، اختیار کرلو۔حالانکہ **جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا** 43/3اور **لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ...... بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ** o 195-26/192 کی قرآنی شہادت کے مطابق ثابت وبیّن ہے کہ قرآن کے الفاظ نزولی ہیں خود اختیاری نہیں۔اور ایک ہی زبان عربی مبین میں نازل ہوئے ہیں۔تو پھر یہ نظریہ کس طرح صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ قرآن سات قسم کے مختلف الفاظ میں نازل ہوا تھا یعنی روح الامین، قرآنی آیات کریمات کو سات قسم کے الگ الگ الفاظ میں نبی اکرمؐ کے پاس لاتے تھے۔اور آپؐ ایک ہی آیت، سیّدنا ہشام کو کسی اور الفاظ میں پڑھاتے تھے۔اور سیّدنا عمرؓ کو کسی اور الفاظ میں۔العیاذ باللہ!

2. قرآنی الفاظ کی حاکمیّت ہمیشہ قائم رکھی جائے گی

جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ 43/2اور 192 تا 26/195 کے

مطابق قرآن کا نزول عربی زبان میں ہوا تھا۔اور ظاہر ہے کہ زبان مشتمل ہوتی ہے الفاظ پر۔اور قرآن کے الفاظ خود اختیاری نہیں بلکہ نزولی ہیں۔نیز ظاہر ہے کہ معانی اور مفہوم الفاظ ہی کے ہوتے ہیں۔اور وہ خود الفاظ ہی کے اندر موجود ومحفوظ ہوتے ہیں۔فلہٰذا:-

قرآن فہمی کا دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ حکیم وحاکم کے نازل کردہ الفاظ کی حاکمیت قائم رکھی جائے بحمد للہ کہ اس ترجمہ وتفسیر میں کسی ایک لفظ کے ترجمہ اور مفہوم سے پہلو تہی نہیں کی گئی۔سوائے ان حروف جارہ کے جو عربی ادب میں قواعدِ عرب کے مطابق زائد لائے جاتے ہیں مثلاً: -

❁ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ 88/22o میں بِمُصَيۡطِرٍ کی ب،قاعدۂ عرب کے مطابق زائد ہے۔اس کا صحیح مفہوم یہ نہیں ہے کہ:-اے رسول آپ لوگوں کے لئے کسی داروغہ کے ساتھ نہیں؟ ...... بلکہ صحیح مفہوم یہ ہے کہ:- آپ لوگوں کے لئے کوئی داروغے نہیں ہیں۔نیز قرآن کی زبان میں جو ضمائر کا تکرار ہے،ان کا ترجمہ بلا تکرار کیا گیا ہے۔مثلاً اِنَّـا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡکَ الۡقُرۡاٰنَ 76/23 میں ضمیر جمع متکلم کا سہ گانہ تکرار تاکیدی ہے۔اِس کا ترجمہ اس طرح نہیں کیا گیا کہ:- قرآن کو بے شک ہم نے،ہم نے،ہم نے نازل کیا ہے۔بلکہ غرضِ تکرار کو نمایاں کرتے ہوئے،ترجمہ لکھا گیا ہے:-بلا شبہ قرآن کو ہم ہی نے نازل کیا ہے۔

نیز الفاظ کی حاکمیت کو قائم رکھتے ہوئے اس ترجمہ اور تفسیر میں کسی لفظ کا وہ مفہوم بھی ہرگز نہیں لیا گیا،جو الفاظ کی حدود وقیُود سے بے نیاز ہو کر لفظی حدود کو توڑ کر رکھدے۔مثلاً سابقہ تراجم میں 4/11 کے الفاظ ''فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ'' کا معنی لیا گیا ہے دو یا دو سے زائد لڑکیاں۔

3. قرآنِ کریم اہلِ عرب کی روزمرہ کی بول چال کے عین مطابق ہے

ارشادِ باری ہے:-

❁ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ o 51/23(مفہوم) آسمان اورزمین (بلندی اور پستی) کے پروردگار کی شہادت ہے، کہ بلا شبہ قرآن حق ہے۔اس کا اندازِ کلام بالکل اُس طرح کا ہے جس طرح تم آپس میں گفتگو کرتے ہو۔فلہٰذا اس آیتِ مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح روزمرہ کی عام بول چال، حقیقت ومجاز اور استعارات وتشبیہات، ہر چیز کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہوتی ہے۔اُسی طرح قرآنِ حکیم میں حقیقت ومجاز اور استعارہ وتشبیہہ سب کچھ موجود ہے۔

پس قرآن فہمی کا تیسرا اصول:-

یہ ہے کہ قرآنِ کریم کو روزمرہ کی بول چال کے عین مطابق تسلیم کیا جائے۔
(اس اصول کی تشریح چوتھے پانچویں اور چھٹے اصول میں ملاحظہ فرمائیں)

4. الفاظ کا استعمال، باندازِ مجاز

فہمِ قرآن کے سلسلے میں عموماً حقیقت ومجاز کے عدم امتیاز کی بدولت ٹھوکر کھائی گئی ہے حالانکہ معارضۂ مشاہدات اس کی بہترین کسوٹی ہے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کے متعلق آیا ہے:- وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ o 2/93۔اس کا لفظی ترجمہ ہے:-اُن کے قلوب میں بچھڑا پلا دیا گیا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو تجربہ اور مشاہدہ معارض ہے۔کیونکہ حقیقت یہ نہیں ہے کہ بچھڑے کو گھول کر یا اس کی یخنی بنا کر، اور بنی اسرائیل کے قلوب کا اپریشن کر کے، اس میں یخنی انڈھیل دی گئی تھی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے

کہ سامری نے عقیدے کے طور پر بچھڑے کی معبودیت بنی اسرائیل کے ذہنوں میں جاگزیں کردی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ :-

قرآنِ کریم میں الفاظ کا استعمال، حقیقت کے علاوہ باندازِ مجاز بھی موجود ہے

فلہٰذا قرآن فہمی کا چوتھا اصول یہ ہے کہ جہاں الفاظ کے حقیقی معنی مشاہدات سے معارض ہوں۔ وہاں دیکھ لیا جائے کہ

کیا یہ الفاظ باندازِ مجاز تو استعمال نہیں ہوئے؟ تاکہ قرآنِ کریم کے اصل مفہوم سے ہٹ کر کسی چیستانی مفہوم کی لق ودق وادیوں میں ٹھوکریں نہ کھانی پڑیں۔

5. تشبیہات، حرفِ تشبیہہ مذکور اور محذوف کے ساتھ:-

عربی زبان میں کاف حرفِ تشبیہہ ہے جو مُشبّہ کے ساتھ آکر کسی ایک صفت میں مُشبّہ بہٖ کے ساتھ اس کی مشابہت کا اظہار کرتا ہے۔ جیسے کہ سورہ مدثر میں منکرینِ ضابطہٴ الٰہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

۞ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ 74/49-51

(مفہوم) انہیں کیا ہوگیا ہے کہ یہ قرآن سے جو ایک نصیحت نامہ ہے اس طرح اعراض کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگتے ہیں ...... دیکھئے یہاں قرآن کو تشبیہتاً شیر اور منکرینِ قرآن کو گدھے کہا گیا ہے۔ نہ وہ فی الحقیقت چار ٹانگوں اور لمبے کانوں والے گدھے تھے اور نہ قرآنِ کریم چنگھاڑنے اور پھاڑ کھانے والا شیر ہے۔ چونکہ گدھا شیر سے بدکتا ہے۔ اور منکرینِ ضابطہٴ الٰہی قرآنِ کریم سے بدکتے ہیں اس لئے اس مشابہت کی بنا پر کاف حرفِ تشبیہہ لاکر انہیں گدھے اور قرآن کو شیر کہا گیا ہے...... لیکن یاد رہے کہ بعض مقامات پر قرآنِ کریم میں حرفِ

تشبیہہ محذوف ومُقدّر رکھا جاتا ہے۔ جیسے کہ منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ 2/18o = اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ کہ وہ گونگے ہیں، بہرے ہیں، اندھے ہیں، حالانکہ فی الحقیقت نہ وہ گونگے ہوتے ہیں نہ بہرے نہ اندھے۔ چونکہ وہ گونگوں بہروں اور اندھوں کی طرح حقائق سے بے خبر رہتے ہیں۔ اس لئے اس مشابہت کی بنا پر اُنہیں گونگے بہرے اور اندھے کہا گیا ہے۔ اور اس کی وضاحت آیتِ ذیل میں کر دی گئی ہے:-

لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا ز وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا ز وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَاط 7/179

(مفہوم) اُن کے پاس قلوب ہیں مگر اُن کے ساتھ تفقّہ نہیں کرتے۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں، اُن سے دیکھتے نہیں۔ اُن کے پاس کان ہیں اُن سے سنتے نہیں۔ اِس آیتِ مجیدہ نے اس امر کی تفسیر وتشریح کر دی ہے کہ 2/18 میں جنہیں گونگے بہرے اور اندھے کہا گیا ہے۔ وہ فی الحقیقت گونگے بہرے اور اندھے نہیں، اُنہیں گونگوں، بہروں اور اندھوں کیساتھ مشابہت کی بناء پر' کافِ تشبیہہ محذوف رکھ کر کہا گیا ہے کہ وہ گونگوں جیسے ہیں، بہروں جیسے ہیں اور اندھوں جیسے ہیں۔ پس

قرآن فہمی کا پانچواں اصول یہ ہے کہ:-

قرآنِ حکیم میں تشبیہات کا انداز حرفِ تشبیہہ مذکور کے ساتھ بھی ہے اور محذوف کے ساتھ بھی

6. استعارات کا استعمال

روزمرہ کی بول چال میں جہاں حقیقت، مجاز اور تشبیہات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ وہاں الفاظ استعارات کے طور پر بھی بولے جاتے ہیں۔ سورہ دہر میں جنّتی معاشرہ کے نوخیز بچوں کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں:-

❁ اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا 76/19o (مفہوم) اے مخاطب جب تو ان (مسرور، خوش باش اور تابندہ چہروں والے) بچوں کو چلتا پھرتا دیکھے تو گمان کرے کہ یہ درخشندہ اور تابناک جواہرات بکھرے ہوئے ہیں......یعنی ان کے چہرے ناہموار معاشرہ کے بچوں جیسے مضمحل اور اداس و پریشان نہیں ہونگے۔ دیکھئے گا! یہاں لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا اسے تازگی شگفتگی اور درخشندگی مستعار لی گئی ہے۔ ورنہ ان الفاظ کے حقیقی معنوں کے مطابق ان بچوں کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ وہ فی الحقیقت جواہرات یعنی پتھر کے بنے ہوئے ہونگے۔ پس **قرآن فہمی کا چھٹا اصول** یہ ہے کہ:-

قرآنِ حکیم میں حقیقت، مجاز اور تشبیہات کے ساتھ ساتھ استعارات بھی موجود ہیں۔

فلہٰذا اللہ تعالیٰ کے خود واضح کردہ اصول کے مطابق کہ قرآنِ کریم روزمرہ کی بول چال کے عین مطابق ہے 51/23۔ اس ترجمہ وتفسیر میں ہر اس مقام پر جہاں الفاظ کے حقیقی معنی مُراد لینے میں مشاہدات معارض ہیں، وہاں مجازی تشبیہی یا استعاراتی معنی لئے گئے ہیں۔ اور کسی بھی مقام پر کسی چیستانی تصوّر کو قریب تک پھٹکنے نہیں دیا گیا جو مشاہدات و تجربات کے خلاف ہو۔

7. قرآنِ حکیم اللہ کا قول اور کائنات اس کا فعل ہے اللہ کے قول و فعل میں تضاد و تخالف ہرگز نہیں۔

یہ ایک عالمگیر مسلمہ ہے کہ خود انسانوں میں بھی معقول انسان کی پہچان یہ ہے کہ اس کے قول اور فعل میں تضاد و تخالف نہیں ہوتا۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ، صاحبِ شرف و مجد کے متعلق تو اس امر کا تصوّر تک نہیں کیا جاسکتا کہ اُس کا کوئی قول اس کے کسی فعل کے خلاف ہو۔ قرآنِ کریم میں اس امر کی وضاحت باندازِ ذیل کی گئی ہے:-

❁ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ 64/3=اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بالحق پیدا فرمایا ہے۔

❁ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ 3/3=اے رسول! اللہ نے آپ پر اپنی کتاب بالحق نازل فرمائی ہے۔

دیکھئے گا! ان آیاتِ کریمات میں بالصراحت بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فعل کائنات بھی بالحق ہے۔اوراس کا قول قرآن بھی بالحق ہے۔اب چونکہ حق، حق کا مخالف ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن اور کائنات، یعنی اللہ تعالیٰ کا قول وفعل باہم موافق ہیں مخالف نہیں۔ بالفاظِ دیگر قرآنِ کریم کی کوئی آیت، کتاب کائنات کی کسی آیت کے خلاف ہرگز نہیں۔ اور اسی طرح کتابِ کائنات کی کوئی آیت، قرآنِ کریم کی کسی آیت کی مخالف نہیں۔

مثلاً ارشادِ باری ہے:-

❁ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا 35/27=اے مخاطب کیا تو نے غور نہیں کیا، یعنی تجھے غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر ہم اس کے ساتھ مختلف رنگوں کے میوہ جات پیدا کرتے ہیں...... یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قول جو نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ 3/3 کی قرآنی شہادت کے مطابق حق ہے۔اور آسمان سے عملی طور پر پانی برسانا اور اُس کے ساتھ انواع واقسام کے میوہ جات پیدا کرنا، جو اس کائنات میں بشکلِ مشہود موجود ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ 64/3 کے مطابق حق ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔اور یہ اس کا فعل ہے۔اور یہ باہم موافق ہیں، ایک دوسرے کے مخالف نہیں۔

پس قرآن فہمی کا ساتواں اصول یہ ہے کہ اس کی کوئی آیت کتابِ کائنات کے مخالف ہرگز نہیں۔

فلہٰذا اس ترجمہ وتفسیر میں قرآنِ کریم کی کسی بھی آیت کا مفہوم، کتابِ کائنات کی کسی آیت کے خلاف نہیں لیا گیا۔اور قرآنِ کریم کے جن الفاظ کے حقیقی معنی کتابِ کائنات کے مخالف جاتے ہوں۔ اصول نمبر 3 کے مطابق ان کے وہ مجازی، تشبیہاتی یا استعاراتی معنی لئے گئے ہیں۔ جو کتابِ کائنات کے عین موافق ہیں۔پس قرآن فہمی کے اصول زیرِ نظر کے مطابق ،قرآنِ کریم میں کسی چیستاتی تصوّر کو داخل نہیں ہونے دیا گیا۔جس سے قرآن وکائنات میں تضاد پایا جائے۔

8. قرآن ایک مفصّل کتاب ہے مجمل نہیں

اللہ تعالیٰ نے ،اُسی ذاتِ اقدس واطہر کی زبانِ فیض ترجمان سے،جس کے قلبِ اطہر پر قرآنِ کریم نازل ہوا تھا(2/97)، اس امر کا اعلان کروا دیا ہے کہ یہ کتابِ مجید مفصّل ہے مجمل ہرگز نہیں:-

✿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَالَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلاً ط 6/114

(مفہوم)(صاحبِ قرآن! کہہ دیجئے گا کہ لوگو!) کیا میں اللہ کے سِوا کوئی اورحاکم تلاش کروں۔حالانکہ اُس نے اپنا حکم نامہ تمہاری طرف ایک مفصّل کتاب کی صورت میں نازل کردیا ہے۔ نیز...... اِس امر کا اعلان بھی صراحتاً کردیا گیا ہے کہ اِس کتابِ مقدّس کی تفصیل وتشریح بھی خود ہم نے آپ کردی ہے:-

✿ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ 6/98o= بے شک ہم نے تفقّہ کرنے والوں کے لئے اپنی آیتوں کی تفصیل خود کردی ہے۔اپنی کتاب کی تفصیل کرنے کے ضمن میں، یہ مسلّمہ آپ دیباچہ کے شروع میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ کسی کتاب کی تفسیر وتفصیل وہ شخص کرسکتا ہے جوعلم کے لحاظ سے، یا تو صاحب کتاب سے افضل ہو۔اور یا کم ازکم صاحبِ کتاب کی علمی سطح کا مالک ہو۔لیکن قرآنِ حکیم چونکہ کتاب ہے اللہ تعالیٰ کی، اور دنیا کے کسی فرد وبشر کا،علم کی رُو سے اللہ تعالیٰ سے افضل

ہونا تو درکنار، اس کی علمی سطح تک پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی تفصیل خود کردی ہے۔ فلہٰذا اپنے داخلی شواہد کے مطابق قرآنِ کریم مجمل نہیں مفصّل ہے۔ اور خود اللہ تعالیٰ کا تفصیل کردہ ہے۔ اس لئے زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر کی عمارت اِس قرآنی مسلّمہ کی بنیادوں پر قائم ہے کہ قرآنِ کریم مفصّل ہے مجمل ہرگز نہیں۔ فلہٰذا **قرآن فہمی کا آٹھواں اصول یہ ہے کہ :-**

قرآنِ حکیم اپنی تفصیل کے لئے کسی غیر اللہ کتاب کا محتاج نہیں

(نوٹ) اسی چیز کی تفصیل نویں، دسویں اور گیارھویں اصول میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

9. قرآنِ کریم خود مبین ہے۔

دعویٰ الٰہی ہے کہ :-

قرآنِ کریم، ہر چیز (ہر مسئلہ) کی تبیین وتشریح خود کرتا ہے۔ دیکھئے! خود صاحب قرآن سلامٌ علیہ کو مخاطب کرکے اعلان کیا گیا ہے:-

❁ **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ 16/89** = اور اے رسول! ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر مسئلے کی خود وضاحت کرنیوالی ہے۔ اور فرمانبرداروں کیلئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

اب یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم کو اُس کے اپنے دعویٰ **تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** کے خلاف روایات کا محتاج قرار دینا، اور آیاتِ قرآنی کی تبیین و تشریح کیلئے پہلے تو متوفی بزرگوں کے متضاد ومتخالف بیانات کے ڈھیر جمع کرنا، کہ بیضاویؒ نے یہ کہا ہے اور بغویؒ نے یہ لکھا ہے۔ رازیؒ نے یہ فرمایا ہے اور ابن کثیرؒ کی یہ رائے ہے۔ اور اس کے بعد کسی ایک کی رائے کی تائید کرنا، کس حد تک صحیح ہوسکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عرصہ دراز سے حالت یہ ہے کہ کوئی مترجم ومُفسّر ہاروت ماروت کو

شیطان قرار دے رہا ہے اور کوئی فرشتے بتا تا ہے۔

اس کے جواب میں مودّبانہ التماس کی جاتی ہے، کہ آیتِ مجید 16/89 کی مخالفت کر کے غیر اللہ کتابوں کو قرآنِ کریم کی تفسیر وتشریح قرار دینے میں سہارا لیا جاتا ہے، اس نظریے کا، کہ رسولِ کریم قرآنِ کریم کے مُفسّر و مُبیّن ہیں۔ حالانکہ ابتدائے مضمون ہی میں واضح کیا جاچکا ہے، چونکہ دنیا کا کوئی فرد و بشر اللہ تعالیٰ کے غیر محدود علم کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اِس لئے اُس کی کتاب کا کوئی متنفّس مُفسّر و مُبیّن نہیں ہوسکتا اپنی کتاب کا مُفسّر و مُفصِّل وہ آپ ہے لیکن رسالتمآب ؐ کو کتابِ مجید کا مُفسّر قرار دینے والے اپنے اس اصول پر بھی قائم نہیں رہتے۔ اور رسولِ مقبول ؐ کے ذریعہ تِبۡیَـانًـا لِّكُلِّ شَیۡءٍ کا قرآنی حصار توڑ، کر پھر اس میں بغویؒ، بیضاویؒ ابن اثیرؒ اور ابن کثیرؒ وغیرھم کو داخل تو کر لیا جاتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ، ایک ایک آیت کی متعدّد اور مختلف ومتضاد تفسیریں پیش کر کے تفسیرِ قرآن کے خواب کو پریشان سے پریشان تر کر کے رکھ دیا گیا ہے۔

لیکن حقیقت یہی ہے کہ 16/89 کے داخلی دعوے کے مطابق قرآنِ کریم ،سو فیصدی نہیں بلکہ کئی سو فیصدی تِبۡیَـانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ ہے۔ یاد رہے کہ اگر اِسے اِس کے اِس دعویٰ کے خلاف تِبۡیَـانًـا لِّـكُلِّ شَیۡءٍ نہ مانا جائے تو نہ یہ ہدایت ثابت ہوتا ہے نہ رحمت و بشارت ٹھہرتا ہے، کیونکہ 16/89 میں معطوف معطوف علیہ کی صورت میں کہا گیا ہے، کہ قرآنِ کریم تِبۡیَـانًـا لِّـكُلِّ شَیۡءٍ وَّ هُدًى وَّرَحۡمَةً وَّ بُشۡرٰى لِلۡمُسۡلِمِيۡنَ ہے اہلِ قواعد سے یہ امر مخفی نہیں، کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ تو اِس طرح جب قرآنِ کریم ،سو فیصدی، ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔ تو سو فیصدی تِبۡیَـانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ کیوں نہیں؟۔ کاش کہ عربی قواعد ہی کا پاس کرتے ہوئے کتاب الٰہی کو اُسی طرح لا محتاج الی الغیر تسلیم کیا جائے ،جس طرح خود صاحب کتاب، اللہ تعالیٰ کو ''لا محتاج الی الغیر'' تسلیم کیا جاتا ہے۔

ایک ضمنی سوال کا جواب:۔

کہا جاتا ہے کہ سینکڑوں مسائل ایسے ہیں، جن کا جواب دینے سے قرآن قاصر ہے۔یعنی یہ نہیں بتا تا کہ کس طرح کھاؤ، کس طرح پیو، کس طرح اُٹھو، کس طرح بیٹھو، لباس کونسا پہنو، حجامت کس وضع کی بناؤ، الصلوٰۃ کس طرح پڑھو، کتنے وقت پڑھو اور اس میں کیا پڑھو، الگ الگ وقتوں کی کتنی کتنی رکعتیں ادا کرو، زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے اور مقدار کیا؟ حج کس طرح ادا ہوگا؟ میّت کو غُسل کس طرح دیا جائے گا؟ جنازہ کس طرح ہوگا؟ بچہ پیدا ہوتو اس کے کان میں اذان کہنے کی خبر قرآن میں نہیں ہے۔قرآن نکاح باندھنے کا طریقہ نہیں بتا تا طریقۂ طلاق کی وضاحت نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔

اِس قسم کے سوالات کرنے میں وہی ذہن کارفرما ہوتا ہے، جو قرآنِ کریم کو ناکافی، نامکمل اور مُجمل و گونگا ماننے کے ساتھ ساتھ دامنِ اسلام کو اس قدر محدود اور سمٹا سُکڑا ہوا تسلیم کرتا ہے، جو جغرافیائی تقاضوں کا خیال بھی نہ رکھے اور انسان کی انفرادی پسند اور شخصی آزادی تک کو بھی سلب کرلے۔یعنی اتنی شدید پابندیاں عائد کردے، کہ کھاؤ تو یوں، پیو تو یوں، اٹھو تو اِس طرح، لیٹو تو اِس پہلو، سوو تو اس کروٹ، بیت الخلاء میں داخل ہو تو یہ پڑھو، باہر آؤ تو یہ دہراؤ۔یاد رہے! قرآنِ کریم چونکہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے......رسولِ مقبولؐ چونکہ دنیا بھر کے رسول ہیں اور اسلام چونکہ عالمگیر دین ہے۔اس لئے نہ اِس میں بے جا پابندیوں کی گنجائش ہے نہ تو ہماتی جکڑبندیوں کا گزر۔اِس میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ واجب الاتباع صرف مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی قرآنِ کریم ہے (7/3) اور اسی کی تائید 28/85 میں کی گئی ہے:۔

۞ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ط اے رسول! وہ ذاتِ مقدّس جس نے آپؐ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو وعدہ گاہِ (قیامت) کی طرف سے لے جانیوالا ہے۔بالفاظ دیگر مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ، یعنی قرآنِ کریم ہی رسالتمآبؐ اور اُمتِ مسلمہ پر فرض کیا گیا ہے۔اور قیامت کو باز پُرس بھی قرآنِ کریم کے متعلق

ہوگی۔ جیسے کہ سورہ فرقان میں خبر دی گئی ہے کہ قیامت کی وعدہ گاہ میں قرآنِ کریم ہی کو پسِ پُشت پھینک دینے کا جرم اُمت پر عائد ہوگا۔اور رسولِ مقبولؐ فرمائیں گے:۔

❁ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَاالۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًا 25/30=اے میرے پروردگار میری اس قوم نے قرآن کواس طرح پکڑا ہوا تھا جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے......
قرآن کے سواجن کتابوں کواس کے ساتھ شریک کرکے واجب الاتّباع گردانا جاتا ہے یعنی کتبِ روایات، نہ قرآن بھر میں اُن کی اتّباع کا حکم دیا گیا ہے،اور نہ ہی قیامت کی باز پرس میں اُنکا ذکر ہے۔فلہٰذا ثابت ہوا کہ قیامت کی باز پُرس کا مکمل حل قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ یہی **فرض** ہے۔ یہی **واجبُ الاتّباع** ہے۔ جو مسائل اِس میں دیدیئے گئے ہیں وہی فرض ہیں خواہ وہ مسئلہ ٔصلوٰۃ سے متعلق ہوں، یا زکوٰۃ سے۔اُن کا تعلق اوقاتِ الصلوٰۃ کے ساتھ ہو، یا رکعات واذ کارِصلوٰۃ کے ساتھ۔ وہ مسائلِ حج ہوں یا مسائلِ نکاح وطلاق۔ زندوں کے مسئلے ہوں یا مُردوں کے۔ جو کچھ قرآنِ کریم میں دیدیا گیا ہے وہی کچھ فرض ہے۔اور جن مسائل کی وضاحت نہیں کی گئی، ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر سے بھول کر نہیں رہ گئے۔ بلکہ اُنہیں ہر ملک کے موسمی اور جغرافیائی تقاضوں، اور ہر فرد کی شخصی آزادی اور انفرادی پسند پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے، قرآنِ کریم کے متعلق تو پوری ذمہ داری کیساتھ اعلان کررکھا ہے کہ وہ ہر مسئلہ،اور ہر مسئلے کے ہر گوشے کو پوری طرح کھول کرکھول کر بیان کرنیوالی کتاب ہے:-

❁ وَنَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ 16/89=اے رسولؐ! ہم نے آپ پر ہر مسئلہ کھول کھول کر بیان کرنے والی کتاب نازل فرمائی ہے۔

❁ وَکُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰہُ تَفۡصِیۡلًا ○ 17/12=اور ہم نے ہر مسئلے کوکھول کھول کر بیان کردیا ہے۔اور ساتھ ہی حکم دے دیا گیا ہے کہ جو مسائل،اور مسائل کے جَونسے گوشے بیان نہیں کیئے گئے اُن کے متعلق کُرید نہ کرنا:-

❁ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَاتَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡیَآءَ اِنۡ تُبۡدَلَکُمۡ تَسُؤۡکُمۡ

5/101۔ ایمان والو! اُن مسائل کے متعلق سوال نہ کرنا (جو زمان ومکان کے تقاضوں اوراقوام وافراد کی انفرادی آزادی پر چھوڑ دیئے گئے ہیں) اگر سب بتا دیئے جائیں (تو تمہاری شخصی آزادی چھن جائے اور) تمہارے لئے تنگی اور دشواری کا مُوجب ہوجائے...... بالفاظِ دیگر 16/89 اور 17/12 میں اعلان کردیا گیا ہے کہ ہم نے اپنی کتاب میں انسانی ضروریات کے تمام مسائل پُوری طرح کھول کھول کر بیان کردیئے ہیں۔اور 5/101 میں منع کردیا گیا ہے کہ قرآنی وضاحت وصراحت سے زائد سوال نہ کرنا۔جن مسائل کی فروعات سے درگزر کیا گیا ہے۔وہ مکان وزمان کے تقاضوں اورتمہاری انفرادی آزادی کے پیشِ نظر خود معاف فرمایا ہے۔قرآن میں کوئی کمی کجی نہیں رکھی گئی

صلوٰۃ،زکوٰۃ،حج،پیدائش وموت،نکاح وطلاق اور جملہ معاشرتی مسائل کی اصولی حدود وقیود متعیّن کردی گئی ہیں۔اوران غیر متبدّل حدود کے دائرے میں مکان وزمان کی ضرورتوں کے مطابق نوع انسانی کوانفرادی آزادی عطا کردی ہے۔نیز جس حدتک کسی مسئلے کی فروعی شقوں کو پابند کرنا ضروری تھا۔اُس حدتک اصول کے ساتھ ساتھ فروعات کی وضاحت وصراحت بھی کردی گئی ہے۔اور باقی گوشے آزاد چھوڑ دیئے گئے ہیں۔مثلاً یہ حکم تو دیا ہے:-

❁ يٰبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ط

7/26= اے نوعِ آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس (کا حکم) نازل کیا ہے کہ وہ تمہاری برہنگی کوڈھانپے اورخوبصورت بھی ہو۔لیکن اس حکم کی عالمگیریت کوقائم رکھتے ہوئے یہ پابندی نہیں لگائی گئی کہ صرف تہبند اور لمبا کرتہ ہی پہنا جائے۔کوٹ پینٹ اور قمیض شلوار یا چست پاجامہ اورشیروانی استعمال نہ کی جائے۔اسی طرح حجامت کے متعلق مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ 48/27 کے الفاظ میں رُءُوس،جن

میں سراورڈاڑھی کے سب بال شامل ہیں،[1] منڈانے یا کتروانے کی اجازت تو موجود ہے۔لیکن یہ پابندی نہیں کہ ضرور ہی منڈائے جائیں یا ضرور ہی کتروائے جائیں۔ کٹائے جائیں تو کتنی لمبائی تک اور کس ملک کی وضع قطع کے مطابق کٹائے جائیں۔ بلکہ پورے کُرّہِ ارض کے قیامت تک کے تقاضوں کا ساتھ دینے کے لئے،ان گوشوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔

میں سراور

۞ کھانے پینے کے متعلق کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا 7/31 کھاؤ پیئو مگر اسراف نہ کرنا......اور کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلاً طَیِّبًا 5/88 کے الفاظ میں حلال پر موافق مزاج کی اجازت دیدی گئی ہے۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر حلال چیز کے کھانے پر مجبور نہیں کیا گیا۔کوئی چیز حلال ہونے کے ساتھ ساتھ،اگر صحت اور مزاج کے موافق نہ ہو تو نہ کھائے۔ اِسی طرح انفرادی مزاج اور پسند کو برقرار رکھتے ہوئے حکم دیا گیا ہے کہ جی چاہئے تو ایک برتن میں مل کر کھاؤ۔نہ چاہے تو الگ الگ برتنوں میں کھا سکتے ہو:- لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتاً ط 24/61

---

[1] قرآنی لُغت کے مطابق راس سے پورا سر بھی مُراد لیا جاتا ہے۔صرف بالائی سطح نہیں=17/51 میں ہے فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْکَ رُءُ وْسَھُمْ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھُوَ ط اے رسول!وہ آپ سے مخاطب ہوکر سروں کو مٹکائیں گے اور کہیں گے (جس قیامت کی آپ خبر دیتے ہیں۔بتایئے گا کہ) وہ ہوگی کب؟ چونکہ صرف سر کی بالائی سطح ہلائی اور مٹکائی نہیں جاسکتی، بلکہ سارا سر حرکت کرتا ہے۔ اس لئے ڈاڑھی سمیت سارے سر کے بالوں کو حسبِ منشا منڈانے یا کٹوانے کی اجازت ہے۔نیز 19/4 میں زکریاؑ کا قول درج ہے وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا= میرا سر شعلہ مار چکا ہے یعنی میرے راس کے بال سفید ہوچکے ہیں۔اب ظاہر ہے کہ صرف سر کی بالائی سطح کے بال ہی سفید نہیں ہوچکے تھے بلکہ ڈاڑھی بھی سفید ہوچکی تھی۔لہٰذا 19/4 میں بھی ڈاڑھی سمیت پورے سر کو راس کہا گیا ہے۔5/6 وضو کے ضمن میں سر بمعنی سر کی بالائی سطح بھی آیا ہے:- وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِکُمْ. لیکن 17/51 اور 19/4 میں راس بمعنی ٹھوڑی سمیت سارا سر ہے،صرف بالائی سطح نہیں۔اس سلسلے کی مزید وضاحت آیت 5/101 کی تفسیر میں،تفسیر القرآن بالقرآن کے ماتحت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

❁ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کو ہر مقام پر متصل لاکر، اسے اس طرح مرکزی نقطہ کی حیثیت دیدی گئی ہے کہ قرآنِ کریم کی پوری تعلیم اس کے گرد طواف کرتی ہوئی پائی جاتی ہے۔ الفاظ صلوٰۃ وزکوٰۃ، اور اِن کی مکمل تشریح اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔ یہاں صرف یہ بتایا جاتا ہے کہ قرآنِ کریم کے متعلق یہ کہنا کہ اِس میں صلوٰۃ وزکوٰۃ کی وضاحت موجود نہیں، گویا یہ تصوّر دینا ہے کہ جس مقصد کے لئے قرآنِ کریم نازل ہوا تھا۔ اس نے خود اس کی حقیقت کو بھی بے نقاب نہیں کیا۔

❁ نکاح وطلاق اور دفن کفن وغیرہ الفاظ کا مفہوم خود ان الفاظ کے اندر موجود ہے۔ وضاحت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔ باقی رہا نومولود کے کان میں اذان کہنے کا مسئلہ! تو جب قرآنِ کریم یہ کہتا ہے:-

❁ وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا 16/78 = اور اللہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کرتا ہے اُس وقت تم کچھ نہیں جانتے......تو ایسے وقت پر جب بچہ جانتا ہی نہیں کہ اُسے کیا کہا جا رہا ہے۔ بول وبراز تک کے شعور سے عاری ہے۔ اُٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا، مسجد جا نہیں سکتا، اس کے ایک کان میں یہ کہنا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ، آ صلوٰۃ کی طرف۔ اور دوسرے میں کہنا:- قَدْقَامَتِ الصَّلٰوۃ= جلدی کر جماعت کھڑی ہوگئی ہے۔ قرآنِ کریم جیسی عقل دوست کتاب سے، جو لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْن اور اَفَلَا تَعْقِلُوْن کے جملوں سے معمور ہے، ایسے عقل دشمن احکام کی اُمید رکھنا، اِس کے مقام تک سے بے خبری کی دلیل ہے۔

پس قرآن فہمی کا نواں اصول یہ ہے کہ قرآنِ کریم خود مبین ہے۔ ہر مسئلے کی خود وضاحت کرتا ہے اور تبیین وتشریح کے لئے کسی غیر اللہ کتاب کا محتاج نہیں۔

10. قرآنِ کریم کافی ہے

ارشادِ باری ہے:-

❁ اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ ط اِنَّ فِیْ

ذَالِکَ لَرَحْمَةً وَّ ذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ o29/51 = صاحبِ قرآن! کیا معترضین کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ جو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ بلا شبہ ماننے والوں کے لئے اس میں رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے۔

غور فرمایئے گا! کہ اس آیتِ مجیدہ میں کس اندازِ بلاغت کے ساتھ کفایت ِ قرآن کا اعلان کیا گیا ہے۔

پس قرآن فہمی کا دسواں اصول یہ ہے کہ قرآن خود کافی ہے۔ کسی غیر اللہ کتاب کا محتاج نہیں۔ فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں اس امر کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ کسی بھی مقام پر کفایتِ قرآن کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

11. قرآنِ کریم کا مُفسّر خود اللہ تعالیٰ ہے:-

اس ضمن میں نفی اثبات کے حصر کیساتھ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی تفسیر خود کردی ہے۔ (یہ شِق پیچھے گزر چکی ہے۔ لیکن قرآن فہمی کے قرآنی اصول کی فہرست میں، چونکہ اس کا ایک خاص مقام ہے۔ اس لئے دوبارہ لائی جارہی ہے۔ معاف فرمایئے گا)۔ دیکھئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

❁ وَلَایَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا o
25/33

(مفہوم) اے رسول! لوگ آپ کے پاس اس قرآن کی مثل نہیں لاسکیں گے۔ بلکہ ہم ہی ہیں جو آپ کے پاس قرآن بھی لاتے ہیں۔ اور اس کی احسن تفسیر بھی لاتے ہیں۔

پس قرآن فہمی کا گیارھواں اصول یہ ہے کہ قرآن اپنا مُفسّر آپ ہے۔ فلہٰذا تفسیر زیرِ نظر میں قرآن کی تفسیر قرآن کریم ہی کے ساتھ کی گئی ہے۔ اور اِسی اساس پر اس تفسیر دلپذیر کا نام اسم بامسمّٰی تجویز کیا گیا ہے:- **تفسیر القرآن بالقرآن**

12. قرآنِ کریم میں تضاد وتخالف ہرگز نہیں ہے

کتابِ مجید فرقانِ حمید کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ایک انتہائی زوردار دعویٰ یہ بھی ہے، کہ اس کتاب کے، الٰہی کتاب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی آیاتِ کریمات میں باہمی تضاد وتخالف ہرگز ہرگز موجود نہیں۔ بالفاظِ دیگر، اس میں تضاد وتخالف ماننا، اسے کتاب اللہ ماننے سے انکار کے مترادف ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری ہے:-

۞ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا o4/82

(مفہوم) لوگ قرآن میں تدبّر کیوں نہیں کرتے۔ (یعنی اِنہیں اس میں غور کرنا چاہیئے۔ اور اِس اساس پر غور کرنا چاہئے کہ اس میں اختلاف ہرگز نہیں ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ (غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں معمولی نہیں، بلکہ) بہت زیادہ اختلاف موجود پاتے۔

پس قرآن فہمی کا بارھواں اصول یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے

فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں اس **قرآنی قدر** کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کی کوئی آیت کسی آیت سے ٹکرانے نہ پائے۔ جہاں کہیں دو آیتوں میں بظاہر تضاد وتخالف معلوم ہوتا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی ہدایتِ ذیل پر عمل کرتے ہوئے باہم متصادم دو آیاتِ کریمات میں سے متشابہ آیت کو محکم آیت کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فیصلہ دے دیا ہے:-

13. قرآنِ کریم میں آیاتِ محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں لیکن اصل کتاب محکمات ہیں:-

۞ ھُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ

الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ [1] ط فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ
مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ج وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ م اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ
فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ لا كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج 3/7

(مفہوم) اے رسول! وہ اللہ ہی ہے جس نے آپ کی طرف اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔اس میں آیاتِ محکمات ہیں۔ وہ اصل کتاب ہیں اور دوسری قسم ہے متشابہات، (بظاہر مختلف لیکن حقیقت میں محکمات سے ملتی جلتی اور عین ان کی مثل و مانند ہیں) پھر جن لوگوں کے قلوب ٹیڑھے ہیں۔ وہ اس (کتاب) میں سے متشابہات کے اُس (مفہوم) کی اتباع کرتے ہیں۔جس میں محکمات کے خلاف شبہ پیدا ہوتا ہو۔ایسے لوگوں کی غرض اُس میں فتنہ کی تلاش اور من مانی تاویل ہے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس (کتاب) کی تاویل اللہ کے سِوا کوئی نہیں جانتا۔اور جو لوگ قرآنی علم کے پکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن پر ایمان لائے ہیں۔محکمات ومتشابہات سب اللہ کی طرف سے ہیں۔(وہ متشابہات کو محکمات کی مثل و مانند مانتے ہیں،متضاد ومتخالف نہیں مانتے)۔

دیکھئے! اس آیت سے ثابت ہے کہ متشابہات کی اتباع ٹیڑھے قلوب کی نشانی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کہیں قرآنِ کریم کی دو آیاتِ کریمات کے مفہوم ومعانی میں بظاہر تضاد وتخالف پایا جائے۔تو اس کے دُور کرنے کا طریقہ یہ بتایا گیا

---

1. لفظ متشابہات، متشابہ کی جمع ہے۔جس کا معنیٰ 6/141 میں قرآنِ کریم نے خود بتا دیا ہے ملتا جلتا اور مثل و مانند۔ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے:- اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے کھجوریں، مختلف ذائقوں کے اجناس، زیتون اور انار مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرُ مُتَشَابِهٍ ط 6/141 یعنی ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے۔ پس جس طرح اس آیتِ مجیدہ میں متشابہا کا معنیٰ ہے ملتے جلتے اور مثل و مانند۔اِسی طرح متشابہات کا معنیٰ بھی یہ ہے کہ وہ محکمات سے عین ملتی جلتی، اور مثل و مانند ہیں۔مختلف ومتضاد ہرگز نہیں۔اور ان کی تاویل خود اللہ تعالیٰ نے محکمات میں کر دی ہے، جن کی وہ متشابہ یعنی مثل و مانند ہیں۔

ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ ان میں سے کونسی محکم اور کونسی متشابہ ہے۔ تاکہ متشابہ آیتِ مجیدہ کو محکم آیتِ کریمہ کے ماتحت رکھ کر محکم کے مطابق مفہوم اخذ کیا جائے۔ یعنی متشابہات کو محکمات کی مثل و مانند مانا جائے، مخالف نہیں۔ اس سلسلے کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:-

13/1. کیا ہدایت وگمراہی، انسان خود اختیار کرتا ہے یا اللہ ہی ہدایت دیتا، اور وہی گمراہ کرتا ہے:-

ہدایت وگمراہی کے متعلق قرآنی آیاتِ کریمات میں اچھا خاصہ ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔ بعض آیات کے لفظی ترجمہ کی رُو سے یہ مفہوم برآمد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر کسی کو ہدایت دیتا ہے اور وہی گمراہ کرتا ہے۔ اور بعض آیات کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہدایت پانا یا گمراہ ہوجانا انسان کا اپنا کام ہے۔ اور اِس ٹکراؤ کو قرآنی ہدایت کے مطابق دُور نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں صدیوں سے یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ:- ہدایت وگمراہی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے۔ اور جسے وہ گمراہ کردے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ 7/186۔ اور یہی آیتِ مجیدہ جمعہ کے خطبوں میں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ حالانکہ بات بالکل سیدھی سی ہے کہ اگر حقیقت یہی ہے کہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ تو ہدایت پانیوالے کی خوبی کیا ہوئی اور گمراہ ہونیوالے کا قصور کیا ٹھہرا؟ اور اس پر جزا سزا کا کیا مطلب؟ اور خود گمراہ کردہ کو جہنم داخل کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور کیا یہ تنگ زماں نظریہ، مکافاتِ عمل کی پوری عمارت کو منہدم نہیں کردیتا؟ ذیل میں ہدایت وگمراہی سے متعلقہ آیاتِ کریمات کا تقابل ملاحظہ فرمائیں۔ کہ بظاہر کس قدر تضاد وتخالف پایا جاتا ہے۔ جس کا حل 3/7 میں دیدیا گیا ہے:-

13.2. آیاتِ محکمات ومتشابہات کا تقابل

اللہ ہی ہدایت دیتا اور وہی گمراہ کرتا ہے	انسان خود ہدایت پاتا اور خود گمراہ ہوتا ہے
۞ مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِیۡ 7/178 جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے	۞ فَمَنِ اهۡتَدٰی فَلِنَفۡسِهٖ ج 39/41 جس نے خود ہدایت پائی، اس کا فائدہ اُس کی اپنی جان کیلئے ہے۔
۞ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ 7/186 جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے	۞ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡهَا 39/41 اور جو خود گمراہ ہوگیا۔ بلا شبہ اسکا وبال اُس کی اپنی جان پر ہے۔

دیکھئے گا:-

اِن آیاتِ کریمات میں بظاہر کتنا بڑا تضاد وتخالف موجود ہے۔ اور محکمات ومتشابہات سے متعلقہ قرآنی ہدایات کو نظر انداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ عوام کے علاوہ بڑے بڑے جیّد علماء تک، برسرِ منبر کہہ دیتے ہیں کہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور مروّجہ تراجم میں آیاتِ مجیدہ 7/186,178 کا معنی بالکل یہی لکھا ہے کہ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے۔ اور جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں......لیکن 3/7 کی الٰہی خبر کے مطابق کہ اُس کی مقدّس کتاب میں آیاتِ محکمات بھی ہیں۔ اور متشابہات بھی ہیں۔ پس آیاتِ بالا میں سے یہ معلوم کرنا ضروری ٹھہرا کہ محکمات کونسی ہیں اور متشابہات کونسی ہیں۔ تاکہ متشابہات کا مفہوم محکمات کے مطابق لے کر اِس ظاہری تضاد کو ختم کیا جائے۔

اب غور فرمائیے گا! کہ اگر آیاتِ کریمات ''الف'' کو محکم مانا جائے، جن کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اللہ ہی ہدایت دیتا، اور اللہ ہی گمراہ کرتا ہے، تو قرآنِ کریم کا بتایا

ہوا مکافاتِ عمل، یعنی جزا سزا کا پورا نظام درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کھلے بندوں ظالم و بے انصاف ٹھہرتا ہے کہ خود ہی گمراہ کرتا ہے اور خود ہی اپنی عطا کردہ گمراہی کی سزا دیتا ہے۔ نیز اُس کا اپنا فرمودہ ۞ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ 41/40 بیکارِ محض ثابت ہوتا ہے، جس میں انسان کو صاحبِ اختیار وارادہ ٹھہرایا گیا ہے کہ جو چاہو کرو۔ اچھے عمل بجالاؤ تو خود...... اور برے اعمال اختیار کرو تو خود۔ جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے:- فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ 18/29............ پس ثابت ہوا کہ آیاتِ مجیدات '(' متشابہات ہیں۔ اور آیاتِ کریمات ''ب'' محکم ہیں، جن میں بتادیا گیا ہے کہ انسان خود ہی ہدایت پاتا اور خود ہی گمراہ ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی کو زبردستی ہدایت دیتا ہے اور نہ کسی کو زبردستی گمراہ کرتا ہے...... اب آیئے تقابل کی آیاتِ کریمات '(' یعنی متشابہات کی طرف، کہ وہ کسی طرح محکمات کے مثل و مانند ہونیوالی ہیں۔ ان کا مفہوم پہلے تو خود ان کے سیاق، اور پھر قواعدِ عرب کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ یاد رہے کہ 7/178 مَنْ يَّهْدِاللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِىْ کے سیاقِ کلام، 7/175 میں ارشاد ہوا ہے:-

۞ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ٥

اے رسول! اِنہیں اس شخص کی خبر سنایئے گا، جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں (کہ وہ ہدایت پر آجائے) لیکن وہ اُن (آیتوں کی حدود) سے نکل گیا۔ پس اس کے پیچھے (نفس) شیطان لگا۔ پھر وہ خود گمراہوں میں سے ہوگیا............ دیکھئے! یہاں گمراہی کا سبب اس کا آیاتُ اللہ کی حدود سے خود نکل جانا بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اسے ہدایت دیدی تھی...... اب اس سے آگے آئی ہے متشابہ آیتِ مجیدہ (:-

۞ مَنْ يَّهْدِاللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِىْ 7/178...... اس میں مَنْ متضمّن بمعنی شرط ہے، شرط محذوف ہے۔ اور سیاقِ کلام کے مطابق، تقدیرِ کلام اور آیت کا صحیح

مفہوم یہ ہے:۔

❁ مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَاِنْ قَامَ عَلَی الْھُدٰی فَھُوَ الْمُھْتَدِیْ جسے(اپنے نازل کردہ ضابطہ کے ذریعہ) اللہ ہدایت دے، پھر اگر وہ ہدایت پر قائم رہے(یعنی ہدایت کی حدوں سے انسلاخ نہ کرے، باہر نہ نکلے) تو وہی ہدایت پانے والا ہے۔ اب آیئے 7/186 کی طرف:-

❁ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ...... اس میں یُضْلِلُ باب افعال سے ہے،جس کا ایک خاصہ وجدان یعنی پانا ہے، نیز اس میں بھی مَــنْ متضمّن بمعنی شرط ہے،شرط محذوف ہے۔ تقدیر کلام اور مفہوم یہ ہے:- ❁ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَاِنْ قَامَ عَلَی الضَّلٰلَۃِ فَلَاھَادِیَ لَہٗ= جسے اللہ گمراہ پائے۔یعنی جو ہدایتِ الٰہی سے اعراض کرتا ہو۔ پھر اگر وہ گمراہی پر خود اڑا رہے۔تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں...... نیز 4/115 میں آیا ہے:-

❁ نُوَلِّہٖ مَاتَوَلّٰی = ہم اُسے اُسی طرف کو پھرنے دیتے ہیں، جدھر کو وہ خود پھرتا ہے

13.3. متشابہات کی ایک اہم مثال

ہدایت وگمراہی کے ضمن میں 22/16 میں ارشاد ہوا ہے:-

❁ وَاَنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ ....قواعدِ عرب کی رُو سے اس آیت کے یہ دونوں معنے درست ہیں:-

ا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لئے خود ارادہ کرتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔

ب۔ اور بے شک اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔ جو ہدایت پانے کا خود ارادہ کرتا ہے۔

تو اب ظاہر ہے کہ یہ آیتِ متشابہ ہے۔ اور ٹیڑھے ذہنوں والے لوگ اس کی رُو سے ہدایت وگمراہی کو اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگا کر، انسان کے جملہ عیوب وجرائم کا ذمہ دار خود اللہ تعالیٰ کو ٹھہرا دیتے ہیں۔ لیکن اس متشابہ آیت کے مقابلے میں، انہی الفاظ پر مشتمل محکم آیتِ مجیدہ ملاحظہ فرمائیں۔

يَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْب 42/13 واضح رہے کہ قواعدِ عرب کی رُو سے اس آیت کا صرف اور صرف یہی ایک معنٰی ہے کہ:- اللہ تعالیٰ صرف اُس کو ہدایت دیتا ہے، جو اُس کی طرف خود رُجوع کرتا ہے۔ فلہٰذا ثابت ہوا کہ آیتِ مجیدہ 42/13 محکم ہے۔ اور 22/16 متشابہ ہے۔ یعنی اس محکم کے عین مطابق ہونیوالی۔ اگرچہ قواعدِ عرب کی رُو سے اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ کا معنٰی 42/13 کے خلاف لیا جانا درست ہے کہ اللہ جس کے متعلق خود ارادہ کرتا ہے، اسے ہدایت دیتا ہے۔ لیکن 3/7 کی ہدایت الٰہی کے مطابق کہ اصل کتاب محکمات ہیں متشابہات نہیں۔ اس لئے اس کا معنٰی 42/13 کی محکم آیت کے ماتحت رکھ کر یہ لیا جانا ضروری ہے کہ:-

بے شک اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دیتا ہے جو ہدایت پانے کا خود ارادہ کرتا ہے............ فلہٰذا کسی بھی متشابہ آیت کا مفہوم کسی محکم آیت کے خلاف اخذ کرنا منشاءِ الٰہی 3/7 کے خلاف اور سو فیصدی غلط ہے۔

ایک ضروری نوٹ

اُمت کے متعدّد متنازعہ مسائل ایسے ہیں۔ جن کے لئے ہر فرقہ قرآنِ کریم ہی سے دلیل لاتا ہے۔ لیکن فریقین، جن قرآنی دلائل کے ساتھ ایک ہی مسئلہ کو الگ الگ منفی اور مثبت دونوں صورتوں میں ثابت کر دکھاتے ہیں۔ اور سادہ لوح عوام دونوں طرف کے دلائل پر ششدر رہ جاتے ہیں کہ قرآنی دلائل ہی سے نبی اکرم سلام علیہ بشر بھی ہیں اور نور بھی ہیں۔ عالم الغیب بھی ہیں۔ اور پسِ دیوار کی چیزوں تک سے بےخبر بھی۔ وفات پا چکنے کے باوجود زندہ بھی ہیں، اور مر کر مٹی میں مٹی بھی ہو چکے ہیں۔ اگر ان مسائل سے متعلقہ الگ الگ قرآنی دلائل میں محکمات ومتشابہات کی تمیز کر لی جائے۔ اور فریقین قرآنی ہدایت کو پس پشت نہ ڈالتے ہوئے، محکمات ومتشابہات کے امتیاز کو لازم سمجھیں تو جملہ مسائل آنِ واحد میں حل ہو سکتے ہیں۔

13.4. محکمات ومتشابہات کی تعریف

محکمات کا لفظ مادہ ح۔ک۔م = حکم سے مشتق ہے۔اس کا بنیادی معنی ہے منع کرنا، روکنا، قابو میں رکھنا۔حکمہ کہتے ہیں لگام کو، جس کے ساتھ گھوڑے کو روکا اور قابو میں رکھا جاتا ہے۔ نیز روکنے اور قابو میں رکھنے ہی کو حُکم کہتے ہیں۔حاکم کا کام یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ کے ہر فرد کو اس کے فرائضِ منصبی کی حدود کے اندر روک رکھے۔اور کسی فرد کو دوسرے افراد کی حدود میں تصرّف نہ کرنے دے۔ایسی چیز کو جو اپنی حدود میں محدود ہو، یعنی اپنے مقام کو کبھی نہ چھوڑے، اسے محکم کہا جاتا ہے۔فلہٰذا آیاتِ محکمات کی ایک تعریف یہ ہے کہ ان کے مفہوم و معانی میں لچک ہوتی ہی نہیں۔اور وہ کبھی بھی اپنا مقام نہیں چھوڑتیں۔ان کے ایک سے زائد معنے لئے ہی نہیں جاسکتے۔

اِسی مفہوم کو اِس انداز سے بھی ذہن نشین کیا جاسکتا ہے۔کہ قرآنِ کریم نے آیاتِ محکمات کو ''هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ بتایا ہے۔ اُمّ کا معنٰی ہے ماں، جڑ، اصل، بنیاد۔ اب ظاہر ہے کہ جس طرح ہر مُتنفّس کی ماں بھی ایک، اور ہر عمارت کی بنیاد بھی صرف اور صرف ایک ہوتی ہے۔اسی طرح آیاتِ محکمات وہ ہیں جن کا معنٰی اور مفہوم صرف ایک ہے۔جنہیں ایسے محکم الفاظ کی لگام (حکمہ) چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔جن کے معانی اور مفہوم میں تاویل کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔اور ظاہر ہے کہ تاویل کی گنجائش صرف اور صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے۔جب الفاظ حقیقت کی بجائے مجاز، تشبیہہ، یا استعارہ کے طور پر لائے گئے ہوں۔فلہٰذا:۔

- محکم آیاتِ مجیدہ وہ ہیں، جن کے الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں آئے ہوں۔ اور وہاں مجاز، محاورہ، استعارہ اور تشبیہہ کا گزر تک نہ ہو۔
- اور متشابہ آیات وہ ہیں جن کے الفاظ حقیقی معنوں کے خلاف مجاز، محاورہ، استعارہ یا تشبیہہ کے طور پر استعمال ہوئے ہوں مثلاً عربی زبان میں اکل کہتے ہیں کھانے کو اور شُرب کہتے ہیں پینے کو۔اب کُلیہ بالا کی رُو سے ظاہر ہے کہ جس آیت

مجیدہ میں یہ مصادر حقیقی معنوں میں آئیں، وہ محکم ہوگی۔ اور جس میں مجازی معنوں میں استعمال ہوئے ہوں، وہ متشابہ ہوگی۔

❁ مصدر ''شرب'' بمعنی پینا کے مجازی مفہوم کی مثال پچھلے صفحات پر ''اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجل'' 2/93 کے الفاظ میں گزر چکی ہے کہ بچھڑا چونکہ کوئی پینے کی چیز نہیں، فلہٰذا اس آیت میں اُشْـرِبُوْا بطور مجاز استعمال ہوا ہے۔ اور یہ آیت مجیدہ متشابہ ہے محکم نہیں۔

❁ مصدر ''اکل'' کے مجازی استعمال کی مثال آیتِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

ارشادِ باری ہے:-

❁ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَـارًا ط 4/10= بے شک جو لوگ یتیموں کا مال بے جا طور سے کھاتے ہیں۔ بلا شبہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔

غور فرمائیے گا! کہ اس آیت میں یَـاْکُـلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط کے الفاظ مجازی معنوں میں آئے ہیں۔ کیونکہ آگ کھانے کی چیز نہیں۔ تو جس طرح ان متشابہ الفاظ سے اِس قسم کا کوئی چیستانی مفہوم اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ کہ یتیموں کا مال، بیجا طور پر کھانے والوں کے لئے فی الحقیقت آگ بن جاتا ہے۔ اُسی طرح اِس پر ہر قسم کی چیستانی حاشیہ آرائی بھی غلط ہے کہ کسی بھی زمانے میں معجزاتی طور پر یتیموں کا مال آگ بن گیا ہو...... یہ تو ہوئیں مصادر اکل اور شرب کے مجازی استعمال کی مثالیں، جو متشابہات کی نشانی ہیں۔ اب قرآنِ کریم کی ایک ہی آیتِ مجیدہ میں، ان دونوں مصدروں کے حقیقی معنوں کا استعمال ملاحظہ فرمائیں:-

❁ کُـلُـوْا وَاشْـرَبُـوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ o 2/60 اللہ کے رزق سے کھاؤ پیئو۔ اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا۔ دیکھئے! اس آیتِ مجیدہ میں اکل و شرب کے مجازی معنے لئے ہی نہیں جاسکتے۔ بلکہ یہاں حقیقی معنے

لئے بغیر کوئی چارہ کار ہے ہی نہیں۔لہٰذا یہ محکم آیتِ مجیدہ ہے۔

المختصر! محکمات ومتشابہات کی ایک قسم یہ ہے کہ جن آیاتِ کریمات کے الفاظ حقیقی معنوں میں استعمال ہوئے ہوں۔اوران سے مجازی معنے لینا ممکن ہی نہ ہو وہ محکمات ہیں۔اورجن کے الفاظ مجازی معنے دیتے ہوں۔اوران سے حقیقی معنے اخذ کرنا ناممکن ہووہ متشابہات ہیں۔

13.5. الفاظ کے حقیقی اور مجازی معنوں کی پہچان کا واحد ذریعہ مشاہداتِ عالم ہیں:۔

اب رہا، حقیقی اور مجازی معنوں کی پہچان کا سوال! اس کا جواب مذکورہ بالا مثالوں میں بدرجۂ اتم آچکا ہے۔جس طرح آگ کھانے کی چیز نہیں۔یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا 4/10،اورسامری کا بچھڑا پینے کی چیز نہیں تھی۔اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ 2/93۔اور یہ فیصلہ ہے مشاہداتِ عالم یعنی قوانین جاریہ کا۔فلہٰذا اسی کلیہ کے مطابق،قرآنِ کریم کے ہر وہ الفاظ جن کے حقیقی معنے کارگاہ کائنات کے روزمرّہ کے تجربات ومشاہدات کے کسی بھی گوشے کی مخالفت کرتے ہوں۔ وہ آیتِ مجیدہ متشابہ ہے۔اوران الفاظ کے وہ مجازی معنے لئے جانے صحیح ہیں جو عربی لُغت اور کائناتی مشاہدات وتجربات کے مطابق ہوں۔

پس قرآنِ کریم کی کسی آیت سے عالمی مشاہدات کے خلاف کوئی چیستانی مفہوم اخذ کرنا، 3/7 کے اس الٰہی اعلان کی بغاوت پرمبنی ہے مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ. لہٰذا زیرِنظر ترجمہ اور تفسیر میں مشاہداتِ عالم کے ہر گوشے کی مخالفت سے پورا پورا احتراز کیا گیا ہے۔اور ہر مقام پر الفاظ کے حقیقی اور مجازی معنوں کا معیار مشاہداتِ عالم ہی تسلیم کیا گیا ہے۔

❁ نیز قرآن مجید کا ایک اسلوبِ بیان یہ بھی ہے کہ عموماً اجمالی اندازِ بیان اختیار

کرتا، اور تفصیلات کو محذوف رکھتا چلا جاتا ہے۔ اور دوسری آیات میں اس اجمال کی تفصیل دے دیتا ہے۔ ایسی اجمالی آیاتِ کریمات بھی متشابہات ہیں۔ جن سے کائناتی قوانین کی خلاف ورزی کا تصوّر پیدا ہوتا، اور قرآنِ کریم میں چیستانیات کی گنجائش کے سوتے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً آیتِ ذیل میں اجمالی انداز اختیار کیا گیا اور تفصیلات کو محذوف رکھا گیا ہے:-

۞ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً 2/22 اور (اللہ تعالیٰ) آسمان سے پانی برساتا ہے۔

اس آیت سے یہ مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ آسمان سے پانی بادلوں کے بغیر، یعنی اس نظام کے سِوا بھی برس سکتا ہے، جو بارشوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود متعیّن کردیا ہے، کہ جب تک سورج کی گرمی سے سمندروں، دریاؤں، جھیلوں اور جوہڑوں کا پانی بخارات بنِ کر، اور ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر آسمان میں نہ پہنچے، بارش نہیں ہوگی۔ اب چونکہ 2/22 میں مذکورہ نظام کی تمام کڑیاں محذوف رکھ کر صرف اجمالی طور پر کہہ دیا ہے۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۔ تو اس متشابہ آیتِ مجیدہ سے، کائناتی مشاہدات کی مخالفت کا جو شبہ پڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے ذیل کی محکم آیتِ مجیدہ کے ساتھ دُور کر کے آیتِ مجیدہ 2/22 اور اس عنوان کی تمام آیاتِ کریمات کو جو قرآن بھر میں پھیلی ہوئی ہیں محکم کردیا ہے:-

۞ وَاللّٰہُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط 35/9 = (مفہوم) اور اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ پھر وہ بادلوں کو (جو سورج کی تمازت کے پیدا کردہ بخارات ہیں) اٹھاتی ہیں۔ پھر ہم اس (پانی) کو مُردہ زمین کی طرف لے آتے ہیں۔ پھر ہم اس کے ساتھ مُردہ زمین کو زندہ کردیتے ہیں۔ (اور ہر طرف سبزہ پھوٹ نکلتا ہے)

پس ہر وہ آیت جس کا اندازِ بیان اجمالی ہو، اور تفصیل محذوف کردی گئی ہو۔

وہ متشابہ ہے۔اور جس میں اس محذوف گوشے کی تفصیل دے دی گئی ہو وہ محکم ہے۔

13.6 نگاہِ بازگشت......محکمات ومتشابہات ایک نظر میں

1۔ ہر وہ آیت مجیدہ محکم ہے جس کا گرائمر اور لُغتِ عرب کی رُو سے صرف ایک معنٰی برآمد ہوتا ہو۔اور ہر وہ آیت جس سے قواعد ولُغت کے مطابق ایک سے زائد معنے لئے جاسکتے ہوں،متشابہ ہے۔جیسے کہ آیت اَنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ 22/16 متشابہ ہے۔اور یَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ 42/13 محکم ہے۔

2۔ ہر وہ آیت جس میں کوئی لفظ مجاز کے طور پر استعمال ہوا ہو وہ متشابہ ہے۔اور جس میں اپنے حقیقی معنوں میں آیا ہو وہ محکم ہے۔جیسے کہ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْل 2/93 اور یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا 4/10 متشابہ ہیں۔اور کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَo 2/60 محکم ہے۔

3۔ اور اسی طرح ہر وہ آیت جس میں کوئی لفظ تشبیہہ،محاورہ یا استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہو متشابہ ہے۔جیسے کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ 5/64 میں ''لڑائی کی آگ'' اور ''اسے اللہ بجھا دیتا ہے''۔کے جملے محاورۃً،تشبیہتاً اور استعارۃً آئے ہیں۔حقیقت کے لئے نہیں آئے۔

4۔ ہر وہ آیت جس سے مشاہداتِ عالم کے کسی بھی گوشے کی مخالفت کا مفہوم برآمد ہوتا ہو متشابہ ہے۔

5۔ وہ اجمالی آیاتِ مقدّساتِ مقدرت جن میں مسئلہ مذکور کی تفصیل محذوف ومقدّر ہو وہ متشابہ ہیں۔اور جن آیات میں اُس اجمال کی تفصیل دی گئی ہو۔وہ محکم ہیں۔فلہٰذا اجمالی آیاتِ متشابہات کو تفصیلی آیاتِ محکمات کے ماتحت رکھنا ہوگا۔جیسے کہ مذکور آیتِ مجیدہ 2/22 متشابہ اور 35/9 محکم ہے۔

13.7. اللہ تعالیٰ نے آیاتِ متشابہات نازل ہی کیوں فرمائی ہیں؟

محکمات ومتشابہات سے متعلقہ اس آخری اور اہم سوال کا جواب آیتِ ذیل میں موجود ہے:- ۞ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ o 51/23، پس آسمان وزمین کے پروردگار کی شہادت ہے کہ بلا شبہ یہ قرآن حق ہے۔یعنی مشاہداتِ عالم کے عین مطابق ہے۔اور اس کا اندازِ بیان بالکل وہی ہے جس طرح تم آپس میں روزمرہ گفتگو کرتے ہو۔اسی طرح روزمرہ کی گفتگو میں حقیقت اور مجاز، استعارے اور تشبیہیں، محاورے اور ضرب المثلیں سب کچھ موجود ہوتا ہے۔اسی طرح قرآنِ کریم بھی اسی روزمرّہ کے طرزِ تکلّم سے لبریز و معمور ہے۔فلہٰذا51/23 کی رُو سے لازم آتا ہے کہ جس طرح ہم روزمرّہ کی مستعملہ، اپنی متشابہات سے غلطی نہیں کھاتے۔حقیقت کو حقیقت، مجاز کو مجاز، تشبیہہ کو تشبیہہ اور استعارے کو استعارہ جانتے ہیں۔اِسی طرح قرآنی اندازِ حقیقت ومجاز، اور تشبیہہ واستعارہ کو بھی اپنے اپنے مقام پر رکھیں۔افسوس ہے کہ محکم ومتشابہ کی تمیز کو نظر انداز کر کے یَدُ اللہ اور وَجْهُ اللہ کے قرآنی الفاظ سے اللہ تعالیٰ کو ہاتھ منہ والی شخصیّت مانا جاتا۔اور "خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ" تک کا تصوّر بھی دیا جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا تھا۔یعنی اللہ تعالیٰ بھی انسان جیسا منہ اور ہاتھ پیر رکھتا ہے۔العیاذ باللہ!

13.8. آیاتِ متشابہات کو محکمات کر دیا گیا ہے:-

ارشادِ باری ہے:- كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ o 11/1، یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں حکیم وخبیر کی طرف سے محکم کر دی گئی ہیں۔پھر اسی کی طرف سے ان کی پوری پوری تفصیل بھی کر دی گئی ہے...... اِس آیتِ

کریمہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو آیاتِ کریمات 3/7 کی خبر کے مطابق متشابہات ہیں، اللہ حکیم وخبیر نے انہیں محکم کر دیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ آیتیں، جو پہلے ہی محکمات ہیں ان کے محکم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر پھر سوال پڑتا ہے کہ متشابہات کو کس طرح محکمات کر دیا گیا ہے۔ اس سوال کا جواب خود متشابہات اور محکمات کے قرآنی تقابل میں محفوظ وموجود ہے یعنی:-

1۔ قواعدِ عرب کے مطابق جہاں کسی جملے کے ایک سے زائد مفہوم درست ثابت ہوتے ہوں۔ ایسی آیاتِ متشابہات کو ایسی آیاتِ محکمات لا کر محکم کر دیا گیا ہے، کہ قواعد کی رو سے اُن کے ایک سے زائد معنے برآمد ہی نہیں ہو سکتے۔

2۔ جہاں کوئی لفظ بطور مجاز استعمال ہوا ہے اس کے مفہوم کو دوسرے مقام پر بطور حقیقت لا کر محکم کر دیا ہے۔

3۔ جہاں کوئی جملہ محاورہ، تشبیہہ یا استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اسے بھی دوسری جگہ حقیقی معنوں میں بیان کر کے تشبیہہ واستعارہ کو حقیقت کی لگام (حکمہ) دیکر محکم کر دیا ہے۔

4۔ جو متشابہ آیت مشاہداتِ عالم کے کسی گوشے کی مخالفت کرتی ہے اس پر اپنی کائنات کو حاکم ٹھہرا کر محکم کر دیا ہے۔

5۔ اور جس آیت میں اجمال ہے، اس اجمال کو دوسری آیت یا آیات میں تفصیلاً بیان کر کے محکم کر دیا ہے۔

13.9. سارا قرآنِ کریم باہم ملتا جلتا یعنی متشابہ ہے:-

محکمات ومتشابہات کی بحث پر پھر ایک بار طائرانہ نگاہ دوڑائیں:-

❁ سابقہ صفحات میں آپ 3/7 کے حوالہ سے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ قرآنِ کریم میں دو قسم کی آیاتِ کریمات ہیں محکمات ومتشابہات۔ اصلِ کتاب محکمات ہیں۔ فلہٰذا متشابہات کا وہ مفہوم صحیح ہے جو محکمات کے خلاف نہ جاتا ہو۔

❁ اور 11/1 کے حوالہ سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ متشابہات کوخود اللہ تعالیٰ نے محکم کر دیا ہوا ہے۔اوراس کے محکم کرنے کے پانچ مختلف طریقوں کی وضاحت بھی آپ کے سامنے آ چکی ہے۔اوراس پوری بحث کا ماحصل بھی نکھر کرسامنے آ گیا ہے کہ آیاتِ متشابہات سے اگرچہ آیاتِ محکمات کی مخالفت کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔اور ٹیڑھے قلوب والے لوگ ان سے فتنہ سامانیاں کرتے ہیں۔لیکن فی الحقیقت یہ محکمات کے عین مطابق ہیں،متضاد ومتخالف ہرگزنہیں۔اِسی چیز کا اعلان ذیل کے انتہائی بلیغ انداز میں فرمایا گیا ہے:- ❁ اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰباً مُّتَشَا بِھًا مَّثَانِیَ ق صلے 39/23 (مفہوم) اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے ایک کتاب احسن الحدیث نازل فرمائی ہے ۔ (جس میں تضاد و اختلاف قطعاً نہیں ہے 4/82) ساری کتاب متشابہ ہے۔(یعنی آپس میں ملتی جلتی، باہم متماثل اور) بار بار دُہرائی ہوئی ہے۔

دیکھئے گا! کہ اِس آیت پر معمولی سا غور وفکر کرنے سے بھی یہ بات نکھر کر سامنے آ رہی ہے کہ ایک طرف، جہاں 3/7 میں کہا گیا ہے کہ پورا قرآنِ کریم مشتمل ہے آیاتِ محکمات اور آیاتِ متشابہات پر۔تو دوسری طرف اِس آیت 39/23 میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ سارے کا سارا باہم متشابہ اور متماثل ہے...... نیز ''مُتَشَا بِھًا مَّثَانِیَ'' کے دولفظوں نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ آیاتِ کریمات کو بار بار دُہرانے، اور مختلف اندازِ تکلّم سے بیان کرنے کی غرض، اِنہیں باہم متماثل ثابت کرنا ہے، جیسے کہ آپ سابقہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ اگر ایک آیت میں کوئی کلام محذوف ہے تو دوسری میں مذکور ہے۔اگر ایک آیت میں کوئی لفظ مجاز یا استعارہ کے طور پر آیا ہے تو دوسری میں اس کی وضاحت کھلے لفظوں میں کر کے اشتباہ رفع کر دیا گیا ہے۔اور یہی ہے قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان تفسیر القرآن بالقرآن۔

پس **قرآن فہمی کا تیرھواں اصول** یہ ہے کہ اِس میں محکمات بھی ہیں اور

متشابہات بھی ہیں۔ اصلِ کتاب محکمات ہیں۔ پس متشابہات جن سے محکمات کی مخالفت کا شُبہ تو پیدا ہوتا ہے۔لیکن فی الحقیقت وہ محکمات کی مثل و مانند ہیں، اُنہیں محکمات کے ماتحت رکھنا، اوراُن کا مفہوم محکمات کے مطابق لیا جانا لازم ہے۔

13.10. ''مُتَشَابِهًا مَّثَانِيَ'' کی تعریف ''سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ'' کے الفاظ میں

آیتِ بالا 39/23 میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ پوری کتاب مثانی (یعنی دہرائی ہوئی) ہے۔دوسرے مقام پراسی چیز کوذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے:-

❁ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَo15/87

(ؔ واؤ تفسیری ہے) (مفہوم) اے رسولؐ! بے شک ہم نے آپ کو سات دہرائے ہوئے عنوانات یعنی نہایت بلند مرتبہ قرآن عطا فرمایا ہے۔

14۔ پورا قرآنِ کریم، سات دُہرائے ہوئے عنوانات ہیں

غور فرمایئے گا! کہ آیتِ بالا 15/87 میں قرآن فہمی کا ایک اور اصول بتایا گیا ہے کہ یہ عالی مرتبت کتاب سات دُہرائے ہوئے عنوانات پر مشتمل ہے...... اب ظاہر ہے کہ اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ کہ یا تو پوری کتاب کو سات حصوں میں تقسیم کر کے، ہر حصے کی ابتداء میں عنوان کی سرخی دیدی گئی ہو۔اور یا پھر کتاب کے شروع میں ایک ہی مقام پر ساتوں عنوانات بیان کر دیئے گئے ہوں۔اب چونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ نہ قرآنِ کریم سات حصوں میں منقسم ہے اور نہ ہر حصے کی ابتداء میں الگ الگ سرخیاں دی گئی ہیں۔ بلکہ اسکے شروع میں ایک ہی مقام پر سورہ فاتحہ میں سات عنوانات دیدیئے گئے ہیں۔لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی پہلی سورۃ مجیدہ، جو سات عنوانات کی خبر دیتی ہے، 15/87 کے اعلان سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ کے مطابق،

اِس کتابِ مقدّس کی فہرست اور پیش لفظ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سورتِ مجیدہ کا نام ہی سورہ فاتحہ ہے۔یعنی کتاب کا افتتاح کرنیوالی۔فلہٰذا:۔

قرآن فہمی کا چودھواں اصول خودقرآنِ کریم کی روشنی میں یہ ہے کہ پوراقرآنِ کریم سورہ فاتحہ کے سات اصولوں کے اجمال کی تفصیل ہے۔فلہٰذالازم آتا ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر وتفصیل اور تبیین وتشریح میں ذیل کے سات افتتاحی اصولوں کی مخالفت ہرگزنہیں کی جانی چاہیئے۔ جہاں کسی آیتِ مجیدہ کے حقیقی معنے فہرستِ قرآن کے کسی بھی اصول کی مخالفت کرتے ہوں، وہاں اس کے وہ مجازی یا استعاراتی معنے لئے جانے چاہئیں، جوسورہ فاتحہ میں مذکورسات اصولوں میں سے کسی ایک کی بھی مخالفت نہ کرنے پائیں۔اب سورہ فاتحہ کے ساتوں عنوانات،جن کی تفصیل وتفسیر پوراقرآن ہے، بیک نظر ملاحظہ فرمائیں۔یادرہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی فہرست،سورہ فاتحہ میں قل محذوف کیساتھ،خودرسولِ اکرمؐ اورنوعِ انسانی کومتکلّم بناکر، قرآنِ کریم کے قاری کی زبان سے ذیل کے سات وعدے لے رکھے ہیں۔پس یہی وہ سات اجمالی عنوانات ہیں،جن کی تفصیل پوراقرآنِ کریم ہے۔

14/1۔ قرآنِ کریم کاسات نکاتی منشور

نیز یہی وہ سات نکاتی قرآنی منشور ہے۔ جو رسولِ اکرم نے عوام کے سامنے پیش کر کےقرآنی تحریک ربوبیّتِ عامہ کی ابتدافرمائی تھی:۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ o اللہ صاحبِ بخشش عامہ اوررحمتِ خاصہ کے نام کےساتھ کہہ تواےصاحبِ قرآن

1-2 اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ o الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ o= پوری حمدوستائش، جوکائنات کا گوشہ گوشہ بزبان حال ادا کررہا ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جوتمام جہانوں کی جملہ مخلوق کی روزی کےسامان مہیا کرنیوالا ہے۔وہ اپنی پوری مخلوق پرعام

بخشش اور مخصوص رحمت کرنیوالا ہے۔ (یعنی وہ بلا محنت اور با محنت دونوں انداز سے نعمتیں عطا کرنے والی ذاتِ مُقدّس ہے)

3۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ o روزِ جزا کا واحد مالک ہے۔ (جو اس نے ربوبیّت ِعامہ کے موافق اور مخالف اعمال کی باز پُرس کے لئے خود مقرر کر رکھا ہے)

4۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ o (اے بلا محنت اور با محنت نعمتیں عطا کرنے والے) ہم تیری ہی فرمانبرداری کریں گے۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے رہیں گے۔ (یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے سوا نہ کوئی فرمانبرداری کے لائق ہے۔ اور نہ کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا ایسا نہیں ہوگا کہ ہم صلوٰۃ تیری پڑھیں اور مُرادیں غیر اللہ سے مانگیں۔ ہم ضرور ضرور عبادت واستعانت میں وصل کریں گے، فصل نہیں کریں گے)

5۔ اِهْدِنَاا لصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ o (پس ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ) ہمیں اسی سیدھے راستے پر چلائے رکھ (کہ تیرے قانون ربوبیّت کو عملاً تسلیم کریں۔) جزا سزا کے دن کے لئے تیاری کریں۔ اور عبادت واستعانت میں وصل رکھیں فصل نہ کریں۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ صلوٰۃ تیری پڑھیں اور مُرادیں غیروں سے مانگتے رہیں۔

6۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ = (نیز ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیری عطا کردہ یہی صراط مستقیم) ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تو نے انعامِ نبوّت فرمایا تھا۔ (یعنی وہ بھی تیرے اس صراطِ مستقیم پر ایمان رکھنے، اور اسی پر عمل کرنے والے تھے)

7۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ o (ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے انعام فرمودہ یعنی جملہ نبی رسولؑ ایسی برگزیدہ جماعت تھی کہ) اُن پر کبھی تیرا غصہ نہیں ہوا تھا، کیونکہ وہ تیری راہ گم کرنے والے تھے ہی نہیں۔

14/2۔ تحفّظِ ناموسِ رسالت

غور فرمائیے گا! کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کے شروع ہی میں اِس کے قاری سے

اپنے مقدّس نام سے شروع کرنے کا حکم دے کر، ذیل کے سات اقرار لے لئے ہیں:۔

1۔ بِلا شرکتِ غیرے خالص حمدِ باری، اور پورے جہانوں کی پوری مخلوق کی ربوبیّتِ عامہ کا عقیدہ۔

2۔ اللہ تعالیٰ کی بِلا محنت اور با محنت عطا کردہ بے پایاں نعمتوں میں بِلا تمیز پوری مخلوق کی ضروریاتِ زندگی کے مساویانہ حق پر ایمان لانا۔

3۔ ربوبیّتِ عامہ کی موافقت ومخالفت کی جزا سزا کے لئے قیامت کی عدالت ِعالیہ کے قیام کا یقین، اوراس دن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی خالص ملکیت، یعنی اُس عدالت میں رشوت، سفارش اور فدیہ وغیرہ کی نفی کا عقیدہ۔

4۔ اللہ تعالیٰ کی خالص فرمانبرداری، اوراُس کی خالص استعانت میں وصل کا عقیدہ۔

5۔ مذکورہ بالا عقائد ہی کا صراط مستقیم ہونا۔ اوراسی راہ پر ہمیشہ چلتے رہنے کے لئے حضورِ الٰہی میں دعا کرتے رہنا۔

6۔7۔ جملہ رُسل انبیاءؑ کے متعلق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہنے، اور مغضوب وگم کردہ راہ نہ ہونے کا عقیدہ۔

فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں مندرجہ بالا سات عنوانات کی، جو قرآنِ کریم کا دیباچہ ہیں۔ اور پورا قرآن جن کی تفصیل وتشریح ہے، پوری پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ جن الفاظ کے حقیقی معنے، ان میں سے کسی بھی اصول کے مخالف ہوں، ان کے وہ مجازی معنے لئے گئے ہیں، جو سورہ فاتحہ کے ان سات اصولوں کی مطابقت کے ساتھ ساتھ عربی قواعد اور لُغت کے بھی مطابق ہیں۔

14/3

14/3۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے وصل کا حکم دیا ہے اُن میں فصل کرنا موجب فساد ہے:۔

سورہ فاتحہ میں لئے گئے مذکورہ بالا وعدوں کی مخالفت کرنے والوں کو فاسق اور مُفسد قرار دیا گیا ہے۔

❁ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ 2/26,27= گمراہ پاتا ہے[1]۔ اللہ اس کے ساتھ بہت سے لوگوں کو اور ہدایت یافتہ پاتا ہے[2] اس کے ساتھ بہت سے لوگوں کو۔ اور نہیں گمراہ پاتا اِس کے ساتھ مگر فاسقوں ہی کو گمراہ پاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ کئے گئے وعدوں کو توڑ دیتے، اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے وصل کرنے کا حکم دیا ہے، اُسے منقطع کر دیتے ہیں اور اس انفصال وانقطاع کے ذریعہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ خسارہ پانیوالے ہیں۔

نیز اِنہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ ❁ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَاللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ 13/25 = اور جو لوگ اللہ کے ساتھ عہد کرنے کے بعد اُسے توڑ دیتے ہیں۔ اور اُن چیزوں کا باہم وصل نہیں کرتے، جن کے وصل کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور (اس طرح قرآنِ کریم سے غیر

1۔2۔ يُضِلُّ اور يَهْدِىْ میں يُضِلُّ فعل مزید فیہ بابِ اِفعال سے ہے جس کا خاصہ وجدان ہے۔ اس لئے معنیٰ لکھا گیا ہے۔ اللہ گمراہ پاتا ہے۔ لیکن يَهْدِىْ فعل ثلاثی مجرد ہے جس کا خاصہ وجدان اہلِ قواعد نے تسلیم نہیں کیا۔ ہم نے یہاں بھی خاصہ وجدان کی رُو سے معنیٰ لکھا ہے کہ اللہ ہدایت یافتہ پاتا ہے۔ ثلاثی مجرد کے خاصہ وجدان کی بحث آگے آ رہی ہے۔

قرآنی عقائد واعمال کا جواز ثابت کر کے) زمین میں فساد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے اللہ کی لعنت ہے۔ اوران کیلئے بُرا ٹھکانہ ہے۔ .... دیکھئے! آیاتِ بالا میں کافروں منکروں کا ذکر نہیں ہورہا۔ بلکہ ان کا ذکر ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے ضابطے پر ایمان لا کر اس سے عہد بھی کرتے ہیں۔ لیکن عہد کی توثیق کے بعد اسے توڑ دیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ، سورۃ فاتحہ کے الفاظ میں مذکورہ بالا سات وعدے تو بدستور جاری رہتے ہیں۔ لیکن اُنہیں بانداز ذیل توڑ کر فساد فی الارض کے سامان مہیا کئے جاتے ہیں:۔

1۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مخصوصہ میں، جو صرف اسی کے لائق ہیں، انسانوں کو شامل کر کے حمدِ باری کو مجروح کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قانون، ربوبیّتِ عامہ کا تصوّر تک گم کر کے، نوعِ انسانی کے ایک طبقہ کیلئے ضروریاتِ زندگی کی محرومی، اور دوسرے کیلئے نعمتوں کی فراوانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب، ان کی الگ الگ نام نہاد تقدیر بتا کر، کمزوروں پر طاقتوروں کے ظلم کا جواز مہیا کیا جاتا ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کی بِلا محنت اور بامحنت حاصل کردہ نعمتوں پر انسانی تصرّف کو صحیح، درست اور جائز قرار دے کر فساد فی الارض کے سامان مہیا کئے جاتے ہیں۔ یعنی تصوّر دیا جاتا ہے کہ نعماءِ الٰہی پر متصرّف افراد جس طرح چاہیں ضروریاتِ زندگی کی ناہموار تقسیم کرتے چلے جائیں۔

3۔ ربوبیّتِ عامہ کے الٰہی توازن کو عملاً ختم کر کے روزِ جزا (یوم الدّین) کا عملی انکار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ زبان سے مسلسل اقرار کیا جارہا ہے۔

4۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو باہم ملانے یعنی متوصّل کرنے کا حکم دیا ہے اُنہیں ملانے کی بجائے جُدا کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً:-

الف۔ سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد تو کیا جاتا ہے کہ تیری عبادت اور استعانت کو صرف تیرے لئے مخصوص رکھتے ہوئے، ان کا اتّصال قائم رکھیں

گے۔لیکن یہ پکّا عہد، جواِیَّاکَ کی ضمیر مقدّم کے حصر کے ساتھ دومرتبہ کے تکرار،اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡن 1/4 کے الفاظ میں بار بار کیا جاتا ہے، اُسے اِس طرح توڑا جاتا، اور عبادت واستعانت کے اتصال کو اس طرح منقطع کیا جاتا ہے کہ نماز پڑھی جاتی ہے اللہ کی۔اور مُرادیں مانگی جاتی ہیں غیراللہ سے۔

ب) نیز اللہ تعالیٰ نے محکمات ومتشابہات کے باہم وصل کرنے کا حکم دیا ہے 3/7 ۔لیکن محکمات ومتشابہات کے تصوّر تک کوگم کر کے، متشابہات کومحکمات سے جدا کرتے ہوئے من مانی تاویلوں کے ساتھ ابتغاءِ فتنہ اور فساد فی الارض کیا جاتا ہے۔ ب)

ج) قرآنِ کریم کے مختلف عنوانات کو فہرستِ قرآن کے ساتھ متوصّل کرنا ضروری نہیں مانا جاتا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے وصل کا حکم دیا ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَo15/87[1]

5۔ دعا مانگی جاتی ہے مندرجہ بالا متوازن نظامِ ربوبیّت والے صراطِ مستقیم کی،لیکن غیرمتوازن تقدیروں کے عقیدہ کے ذریعہ اِس کی شبانہ روز عملاً مخالفت کی جاتی ہے۔

6۔7۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جملہ نبی رسولوں کی سو فیصدی عصمت کا وعدہ لیا ہے۔ لیکن اُن کی طرف جھوٹ، چوری اور دھوکا فریب وغیرہ تک منسوب کر کے اس عہد کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ یوسفؑ پر بھائی کو چور بنانے کا الزام، ابراہیمؑ پر تین مرتبہ جھوٹ بولنے کا بہتان، اور داؤدؑ پر دھوکے سے پرائی عورت حاصل کرنے کا افتراء باندھ کر عہدِ باری تعالیٰ کوتوڑا جاتا، اور

---

[1] اہلِ روایات کے ہاں بھی سورہ فاتحہ کو قرآنِ کریم کی فہرست تو تسلیم کیا گیا ہے۔لیکن قرآن اور اُس کے دیباچہ کو باہم متوصّل نہیں کیا جاتا۔حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:- وَلَقَدۡ وَصَّلۡنَا لَھُمُ الۡقَوۡلَ لَعَلَّھُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَo28/51 =اور بالتحقیق ہم نے اپنے قول کو باہم متوصّل کر دیا ہے۔تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

انبیاء سلامٌ علیہم کو صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ثابت کیا جاتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا ہے کہ جملہ نبی رسولوں پر اُس کا کبھی غصہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ اس مقدّس جماعت پر اللہ کے غصّے کا ثبوت مہیا کرتے ہوئے، کسی نبی کو آرے سے چروایا جاتا ہے۔ کسی کے بدن میں کیڑے ڈلوائے جاتے اور کسی کی حکومت چھنوا کر اُس سے مچھیروں کی نوکری کروائی جاتی ہے۔ کسی کو پہلے جنّت میں داخل کیا جاتا، اور پھر اُس سے نکلوا کر زمین پر پھینکا جاتا ہے۔ اور کسی پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ثبوت میں، اُس پر کئی کئی دن تک نزولِ وحی کا سلسلہ بند ہو جانے کی خبر دی جاتی ہے۔ العیاذ باللہ!

14/4۔ تصویر کا دوسرا رُخ:-

یہ تو ہوا 2/27 اور 13/25 کی قرآنی خبر کے مطابق، سورہ فاتحہ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے گئے عہد کو توڑنے والوں اور اُن چیزوں کو ایک دوسری سے جدا کرنے والوں کا ذکر، جن کے ملانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب قرآنی الفاظ میں اُن لوگوں کی تعریف ملاحظہ فرمائیں، جو نہ اللہ تعالیٰ سے کئے گئے عہد کو توڑتے ہیں، اور نہ ہی اُن چیزوں (یعنی عبادت واستعانت 1/4، محکمات ومتشابہات 3/7، اور سورہ فاتحہ اور باقی قرآن 15/87) کو ایک دوسری سے جدا کرتے ہیں۔ جن کے ملانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا ہے:-

۞ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ 13/19-21 = اے رسولؐ! وہ شخص، جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل ہوا ہے، حق ہے۔ کیا وہ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اِس حقیقت سے اندھا ہے۔ بلا شبہ عقل مند ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اور اس کے

ساتھ کیئے ہوئے واثق عہد کو توڑتے نہیں اور اس چیز کو باہم ملاتے ہیں، جس کے وصل کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی مخالفت اور بُرے حساب سے ڈرتے ہیں۔

فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں آیاتِ بالا کے مطابق، نہ سورہ فاتحہ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیئے گئے عہد کو توڑا گیا ہے اور نہ ان چیزوں کا فصل کیا گیا ہے، جن کے وصل کا اللہ تعالیٰ نے 1/4، 3/7 اور 15/87 میں حکم دے رکھا ہے۔

15۔ قرآنِ کریم کی نہ کوئی آیت ہی منسوخ ہے نہ کسی آیت کا کوئی حصہ

قرآن فہمی کے ایک اور اصول کی خبر آیتِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:-

❁ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ 10/64 = اللہ تعالیٰ کے کلمات کے لئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

اگرچہ اس آیتِ مجیدہ میں باندازِ بلیغ اعلان کر دیا گیا ہے کہ آیاتِ قرآنی میں تغیّر وتبدّل ہرگز ہرگز ممکن نہیں۔ لیکن آیتِ ذیل میں اس گمان کو بھی باطل قرار دے دیا گیا ہے۔ جو عوام کے ہاں یہ نظریہ چل رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود تو اپنے کلام میں ردّ وبدل کا مجاز ہے۔ چنانچہ اعلانِ عام کر دیا گیا ہے کہ ہمارا قول خود ہماری طرف سے بھی ہرگز ہرگز تبدیل نہیں کیا جاتا۔ اِسے تبدیل کرنا تو بندوں بچاروں پر ظلمِ عظیم ہے:-

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ o 50/29 = میرے ہاں قول بدلا ہی نہیں جاتا۔ اور نہ میں (اپنے قول کو بدل کر) اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں...... اگرچہ عام تفاسیر وتراجم میں ناسخ ومنسوخ کا تصوّر آج تک قائم ہے۔ لیکن زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں آیاتِ قرآنی کے لئے منسوخ ہو جانے کے تصوّر کو آیاتِ بالا کے انتہائی ٹھوس دلائل کے مطابق قریب تک پھٹکنے نہیں دیا گیا۔ سورہ بقر کی آیت

مجیدہ مَانَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ...... الخ جس سے تنسیخِ آیات کا جواز لیا جاتا ہے، کی وضاحت ناسخ ومنسوخ کے الگ عنوان میں آگے آرہی ہے۔

پس قرآن فہمی کا پندرھواں اصول یہ ہے کہ کلماتِ باری تعالیٰ کو نہ باری تعالیٰ خود ہی تبدیل کرتا ہے۔اور نہ کوئی غیر ہی تبدیل کرسکتا ہے۔

(نوٹ) اس اصول کی وضاحت سولہویں اصول میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

16۔ قرآنِ کریم کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ کے ذِمّہ ہے۔

قرآن فہمی کے ایک اور اصول کی خبر آیتِ ذیل میں دی گئی ہے:-

❁ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ 15/9o = بے شک اَلذّکر قرآنِ کریم کو ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں...... اس کے برعکس تجرید بخاری کے صفحہ نمبر 1014 پر عمرؓ کی روایت سے منقول ہے کہ ''قرآنِ کریم میں آیتِ رجم نازل ہوئی تھی۔لیکن اب اس میں موجود نہیں''۔(ملخص)

یہ روایت سالمیتِ قرآن کو مجروح کرنے کے ساتھ ساتھ حفاظتِ باری تعالیٰ کا مذاق بھی اڑاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن کا دعویٰ تو کیا تھا۔لیکن نباہ نہیں سکا۔کوئی زبردست ہاتھ قرآنِ کریم سے آیتِ رجم نکال کر لے ہی گیا۔ آیتِ بالا کی رُو سے آیتِ رجم کے نزول وخروج کا نظریہ مطلقاً غلط ہے۔اگر کوئی آیتِ رجم نازل ہوئی ہوتی تو یقیناً یقیناً قرآن کے اندر موجود ہوتی۔اور جب موجود نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔کیونکہ قرآنِ کریم بحفاظتِ باری تعالیٰ محفوظ ہے۔اسی چیز کی تائید آیتِ ذیل سے ہوتی ہے:- ❁ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيۡزٌ ۙ لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ o 41/41,42 = اور وہ قرآن ایک غالب کتاب ہے۔اُس میں باطل، نہ آگے کی طرف سے آسکتا ہے، نہ پیچھے کی طرف سے۔اِس کا نازل ہونا صاحبِ حکمت وحمد کی طرف سے ہے...... افسوس! روایاتِ قرآنِ کریم کے اس دعوے کی بھی تکذیب

کرتی ہے۔جیسے کہ علامہ سیوطی کی اتقان میں بتایا گیا ہے کہ معوذّتین،یعنی قرآنِ کریم کی آخری دوسورتیں الفلق اور الناس نزولی نہیں، بلکہ الحاقی ہیں۔العیاذ باللہ تعالیٰ۔

آیاتِ بالا 15/9 + 42-41/41 کی رُو سے **قرآن فہمی کا سولھواں اصول** یہ ہے کہ اس میں نہ کوئی کمی ہوئی ہے نہ زیادتی۔پس زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں ایسے کسی تصوّر کو راہ نہیں دی گئی، جو کتبِ روایات نے قرآنِ کریم میں سے کسی آیت یا سورت کے گم ہوجانے، یا کسی غیر تنزیلی آیت یا سورت کے اضافے کا دیا ہوا ہے۔

17. اللہ تعالیٰ کی سُنّت ،یعنی اُس کے کائناتی قوانین ہرگز نہیں بدلتے۔

قرآن فہمی کا ایک اور اصول آیتِ ذیل میں مذکور ہے:-

۞ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ٥

35/43= اے رسول! اور اے قرآنِ کریم کے مخاطب! تو اللہ تعالیٰ کی سُنّت میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں پائے گا......سُنّت کا مطلق معنیٰ ہے طریقہ،قاعدہ، دستور۔اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ، قاعدہ، اُس کا قانونِ جاریہ ہے، جو مشاہداتِ عالم کی صورت میں شبانہ روز جاری وساری ہے۔ نیز اُس کے عالمی قوانین میں مشاہدہ کی رُو سے کبھی بھی تبدیلی نہیں پائی گئی۔قوانینِ کائنات کے اسی استقلال کی خبر آیتِ بالا 35/43 میں دی گئی ہے......پس اس آیتِ مجیدہ کے مطابق قرآنِ کریم سے کوئی ایسا مفہوم برآمد کرنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کے قوانینِ کائنات کی مخالفت پائی جاتی ہو۔

پس **قرآن فہمی کا سترھواں اصول** یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ میں قوانینِ کائنات کی مخالفت ہرگز موجود نہیں۔

فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر میں اللہ تعالیٰ کے کائناتی قوانین کی مخالفت سے

پوری پوری پرہیز کی گئی ہے اور قرآنِ کریم کے جن مقامات پر سابقہ تفاسیر نے کائناتی قوانین یعنی سُنّتُ اللہ کی مخالفت کی ہے۔اُس اجمال کی تفصیل، یا اس مجاز کی حقیقت کو قرآنِ حکیم کے دوسرے مقامات سے پیش کر کے سُنّتُ اللہ کی مطابقت کو ہمیشہ قائم رکھا گیا ہے۔

18. قرآنِ کریم ایک باربط کتاب ہے پراگندہ وبے ربط ہرگز ہرگز نہیں

دنیا بھر کی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کے لئے سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اُس کے مندرجات میں نظم وربط موجود نہ ہو۔یعنی کوئی بات کہیں کی ہو کوئی کہیں کی۔بات ہورہی ہو امن کی، اور اس میں آ گھسے جنگ کا قِصّہ، ذکر ہوا اقتصادیات کا اور اس میں آ دھمکے طبعی جغرافیہ۔ذکر ہو مسائل طلاق کا اور اس میں حکم دیا جارہا ہو صلوٰۃ کا......سابقہ تراجم وتفاسیر نے باستثنٰی بعضے، قرآنِ کریم کے نظم وربط کو مطلقاً ضائع کر کے، اقوامِ عالم کے لئے کتابِ الٰہی پر اعتراضات کے دروازے کھول دیئے ہوئے ہیں۔حالانکہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے کہ اُس کا قول قرآنِ حکیم باہم مربوط ومتوصّل ہے۔پراگندہ اور منتشر نہیں:-

۞ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ o 28/51 = اور بلا شبہ ہم نے اپنے قول (قرآن) کو باہم متوصّل کر دیا ہے تا کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں......دیکھئے! اِس آیتِ مجیدہ میں اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کے قول قرآنِ کریم کے اندر باہمی وصل وربط ہے فصل وانتشار نہیں۔اور ساتھ ہی اس چیز کی بھی خبر دیدی گئی ہے کہ نصیحت اُس کتاب سے حاصل کی جاسکتی ہے، جس میں ربط و وصل ہو۔چونکہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جب بے ربط کلام سے کچھ پلے ہی نہیں پڑتا تو اس سے نصیحت حاصل کرنے کا تصوّر کس طرح پیدا ہوسکتا ہے۔لیکن ارشادِ باری کے

مطابق قرآنِ حکیم ایک نصیحت نامہ ہے:-

❁ اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ 76/29, 73/19 =اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مُقدّس قول اور جلیل المرتبت نصیحت نامے، قرآنِ مجید کو داخلی طور پر باہم مربوط و متوصّل کر دیا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کرسکیں۔

پس قرآن فہمی کا اٹھارھواں اصول یہ ہے کہ اِس کی سورت سورت اور آیت آیت باہم منظوم و مربوط ہے۔

فلہٰذا ترجمہ وتفسیر زیرِ نظر میں اُن تمام آیاتِ مجیدات کا باہمی ربط قائم رکھا گیا ہے، جنہیں مروّجہ تراجم وتفاسیر نے بے ربط کر کے رکھ دیا ہوا ہے۔ نیز قیامِ ربط کے لئے صرف آیاتِ قرآنیہ اور مشاہداتِ عالم ہی کا سہارا لیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قول و فعل کی ہم آہنگی ہی کو آیاتِ کریمات کے باہمی ربط ووصل پر بطور دلیل لایا گیا ہے۔

19. قرآنی محذوفات

نیز ربطِ آیات کے لئے اُن قرآنی محذوفات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے جو ہر زبان میں عموماً اور عربی ادب میں خصوصاً پائے جاتے ہیں۔ مثلاً سورہ یوسف میں، جو بِلا اختلاف ایک ہی قصّے پر مشتمل، ایک مربوط سورتِ مجیدہ ہے، محذوفات کی متعدّد مثالیں موجود ہیں۔۔ مثلاً سیّدنا یوسفؑ کے بھائی جب دوسری مرتبہ غلّہ لے کر مصر سے روانہ ہونے لگتے ہیں۔ تو چھوٹے بھائی کی بوری سے چوری کا پیالہ برآمد ہوتا، اور اُسے حراست میں لے لیا جاتا ہے اِس پر باقی بھائی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی جگہ کسی اور بھائی کو رکھ لیا جائے۔ لیکن اُن کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی۔ تو پھر وہ الگ بیٹھ جاتے ہیں۔ سب سے بڑا کہتا ہے کہ میں تو واپس نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ والد بزرگوار نے مجھ سے پکّا عہد لیا ہوا ہے کہ یوسفؑ کے حقیقی بھائی کو واپس اس کے پاس لے کر آؤں گا۔ لہٰذا تم سب جاؤ اور والد سے کہو کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔ آپ

اس بستی والوں سے جس میں ہم تھے۔ اور اس قافلے والوں سے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، پوچھ کر تصدیق کر لیں۔ کہ واقعی آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔ اس لئے وہ حراست میں لے لیا گیا ہے۔ اور ہم اسے واپس نہیں لا سکے۔

یہ ہیں بڑے بھائی کے الفاظ، جو اُس نے والد کو کہنے کے لئے اپنے بھائیوں سے کہے۔ اب ربط کلام کی رُو سے چاہیئے تھا، کہ اس سے آگے یہ درج ہوتا کہ:- ''بڑے بھائی سے مذکورہ ہدایات لے کر باقی بھائی قافلے کے ساتھ وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور جب منزل بمنزل چلتے ہوئے اپنی بستی میں پہنچے۔ اور والد بزرگوار نے پوچھا کہ چھوٹے بھائی کو کیوں نہیں لائے۔ تو انہوں نے جواب دیا، ابا جان آپ کے چھوٹے بیٹے نے چوری کی ہے۔ اس لئے پکڑ لیا گیا ہے۔ اِس کی تصدیق آپ اُس بستی والوں سے جس میں ہم تھے۔ اور اُس قافلہ والوں سے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، کر لیں''...... لیکن قرآنِ کریم میں یہ الفاظ، جو ہم نے الٹی واوٴں کے درمیان لکھے ہیں، موجود نہیں۔ بلکہ اس پورے کلام کو حذف کر دیا گیا ہے اور بڑے بھائی کے اُس کلام کے عین بعد، جو مصر میں ہو رہی تھی، والد محترم کا جواب درج ہے۔ جو آپ نے، بیٹوں کے سفر طے کر کے آپ کے پاس پہنچنے۔ اور اُن سے چوری کا قِصّہ سننے کے بعد اپنی بستی میں ارشاد فرمایا تھا۔ دیکھئے قرآنی الفاظ۔ بڑا بھائی چھوٹے بھائیوں سے کہتا ہے:-

۞ اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰٓی اَبِیۡکُمۡ فَقُوۡلُوۡا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابۡنَکَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا وَمَا کُنَّا لِلۡغَیۡبِ حٰفِظِیۡنَ ۝ وَسۡـَٔلِ الۡقَرۡیَۃَ الَّتِیۡ کُنَّا فِیۡهَا وَالۡعِیۡرَ الَّتِیۡۤ اَقۡبَلۡنَا فِیۡهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ۝ 12/82-81

اور بڑے بھائی کے اِس کلام کے عین بعد جو سرزمینِ مصر میں ہو رہی تھی، سیّدنا یعقوبؑ کا جواب درج ہے جو بیٹوں کے ایک طویل سفر کے بعد سرزمینِ وطن میں دیا گیا:-

۞ قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ 12/83=

باپ نے کہا یہ بات تمہارے نفسوں ہی کی تراشیدہ ہے۔ پس میں توصبرِ جمیل ہی سے کام لوں گا...... اب:-

بنظرِ تعمّق غور فرمایئے گا! کہ اِنَّـا لَصٰدِقُوْنَ کے الفاظ پر بڑے بھائی کا کلام ختم ہوا ہے۔ اور قَـالَ بَـلْ سَوَّلَـتْ کے الفاظ سے سیّدنا یعقوبؑ کا کلام شروع ہو گیا ہے۔ درمیانی پورا واقعہ، یعنی بھائیوں کا روانہ ہونا، وطن پہنچنا، والد بزرگوار کی خدمت میں آ کر بڑے بھائی کے ہدایت کردہ الفاظ پیش کرنا وغیرہ سب کچھ محذوف ہے۔

پس قرآن فہمی کا انیسواں اصول یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں محذوفات کا اسلوب موجود ہے جس سے فائدہ اٹھانا لازم ہے

فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر میں، ربطِ کلام کے لئے قرآنی محذوفات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور اس چیز کو ہرگز ہرگز نظر انداز نہیں کیا گیا کہ اپنی کتابِ لاریب کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کجی اور ٹیڑھا پن موجود نہیں ہے:-

۞ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ٥

18/1 = پوری کی پوری حمد وستائش اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جس نے اپنے بندے پر ایک کتاب نازل فرمائی، جس میں، اُس نے کسی قسم کی کمی کجی اور ٹیڑھا پن ہرگز ہرگز نہیں رکھا۔

20. ذومعنی الفاظ کا مفہوم، اُن کے متعدّد معنوں میں سے، وہ لیا جائے گا۔ جو ربطِ کلام، اور عربی لُغت وقواعد کے بھی مطابق ہو اور مذکورہ بالا کسی قرآنی اصول کے خلاف بھی نہ جاتا ہو

ہر زبان میں بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں، کہ اہلِ زبان کے ہاں ان کے کئی کئی مفہوم چل رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً عربی زبان میں ضـــرْبٌ کا لفظ ہے۔ اِس کے

پانچ معنے

پانچ معنے خود قرآنِ کریم میں مذکور ہیں:-

1. مارنا 2. چلنا 3. کاٹنا 4. اوڑھنا 5. بیان کرنا

1. **مارنا:-** جو عورتیں زیور پہن کر باہر نکلیں اُنہیں حکم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر زور سے پَیر نہ ماریں۔تاکہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر نہ ہو:-

❁ وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِهِنَّ ط 24/31= ضرب بمعنی مارنا۔

2. **چلنا:-** جب مجاہدین اسلام گھر سے چل کر میدانِ جنگ میں پہنچیں تو حکم ہوتا ہے:-

❁ وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ. 4/101۔جب مومن (جہاد کے لئے) زمین میں چلیں تو کوئی ہرج نہیں کہ وہ الصلوۃ (نماز) کو کم کرلیا کریں۔**ضرب بمعنی چلنا**

3. **کاٹنا:-** جب مجاہدینِ اسلام کا میدانِ جنگ میں کفار کے ساتھ ٹکراؤ ہو تو حکم ہوتا ہے کہ اُن کی گردنیں کاٹی جائیں۔

❁ فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ 47/4. **ضرب بمعنی کاٹنا**

4. **اوڑھنا:-** مومنات مسلمات کے لئے ارشاد ہوا ہے کہ اپنے گریبانوں (یعنی پورے سینوں) پر اوڑھنیاں اوڑھ رکھا کریں۔

❁ وَلۡیَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوۡبِهِنَّ 24/31. **ضرب بمعنی اوڑھنا۔**

5. **بیان کرنا:-** اکملیّتِ قرآن کے ضمن میں ارشادِ باری ہے کہ ہم نے اِس قرآن میں ہر قسم کے ضروری حالات بیان کردیئے ہیں:-

❁ وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ط 30/58۔

ضرب بمعنی بیان کرنا۔

پس غور فرمایئے گا کہ:۔ مندرجہ بالا مثالوں سے مہرِ نیمروز کی طرح عیاں ہے کہ:۔

کسی ذُومعنی لفظ کا مفہوم، ربطِ کلام، قرائن سیاق و سباق اور کائناتی مشاہدات کوملحوظ رکھے بغیر متعیّن نہیں کیا جائے گا مثلاً اگر مندرجہ بالا مثال نمبر 1 میں جہاں ضرب کا مقامی معنٰی مارنا ہے۔ اگر وہاں اس کا معنٰی چلنا، کاٹنا، اوڑھنا یا بیان کرنا لیا جائے تو اگر چہ ضرب کے یہ سب معنے خود قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، لیکن یہ مفہوم سراسر غلط ہوگا۔ جیسے کہ مشاہداتِ عالم 24/31 کے اِن ہر چہار مفہوم کی کھلے بندوں تکذیب کر رہے ہیں کہ زیورات والی خواتین اپنے پَیروں کے ساتھ چلا نہ کریں، پَیروں کے ساتھ کاٹا نہ کریں، پَیروں کے ساتھ اوڑھا نہ کریں، پَیروں کے ساتھ بیان نہ کیا کریں، یہ سب معنے غلط ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ مصدر ضرب سے متعلقہ مندرجہ بالا پانچ آیاتِ کریمات کے، جب تک مذکورہ بالا الگ الگ مفاہیم نہ لئے جائیں۔ اُس وقت تک ان کا الگ الگ صحیح مقامی معنٰی برآمد نہیں ہوتا۔ اوران پانچ مثالوں سے یہ بات بھی نکھر کر عیاں ہو رہی ہے کہ ذُومعنی الفاظ کا مفہوم متعیّن کرنے میں لُغتِ عرب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے خود مقرر کردہ قوانینِ جاریہ ہی کا سہارا لینا فرض ہے۔ یعنی جس طرح:۔

وَلَا يَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ 24/31 میں مصدر ضرب کے معنی متعیّن کرنے میں اللہ تعالیٰ کے خود مقرر کردہ قوانینِ کائنات ہی کا فیصلہ اٹل ہے کہ اس آیت میں چلنا، کاٹنا، اوڑھنا اور بیان کرنا چاروں معنے اس لئے غلط ہیں کہ یہ عالمی مشاہدات کے الٰہی قوانین میں فٹ نہیں آتے۔

پس قرآن فہمی کا بیسواں اصول یہ ہے کہ ذُومعنی الفاظ کے معنے قواعدِ عرب اور

مشاہداتِ عالم کے مطابق لئے جائیں گے۔
فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں ذُو معنی الفاظ کے بالکل وہی معنے لئے گئے ہیں جو ربطِ کلام، سیاق وسباق اور لُغت وقواعدِ عرب کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے خود مقرر کردہ اُن قوانینِ کائنات میں مشاہدۃً بھی فِٹ آتے ہیں جو ہر آن ہمارے گرد وپیش موجود ہیں۔ اور جن کی ہرگز نہ کھلنے والی زنجیروں میں پوری کی پوری موجودات، ابتداءِ آفرینش سے جکڑی ہوئی ہے اور قیامت تک کے لئے جکڑی رہے گی۔

21. کلامِ مقصود اور غیرِ مقصود میں تمیز کرنا ضروری ہے۔ کلامِ غیرِ مقصود بطورِ محال تام آتا ہے۔

قرآنِ کریم میں آیا ہے:-

❁ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الۡجَمَلُ فِىۡ سَمِّ الۡخِيَاطِ ؕ 7/40 = بے شک جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان سے تکبّر کرتے ہیں اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ نہ اُنہیں اُس وقت تک جنّت میں داخل کیا جائے گا۔ جب تک کہ سوئی کے ناکے سے موٹا رسّہ نہ گزر جائے۔

جمل کا معنیٰ اونٹ بھی ہے اور جہاز کا موٹا رسّہ بھی۔ یہاں سوئی کے ناکے کی مناسبت سے موٹا رسّہ معنیٰ لینا درست ہے۔ اونٹ معنیٰ لینا درست نہیں۔

دیکھئے گا! یہاں کلامِ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات کو جھٹلانے والوں کے لئے جنّت کا داخلہ مطلقاً ناممکن ہے۔ سوئی کے ناکے سے اونٹ یا جہاز کے رسّے کا گزرنا کلامِ غیرِ مقصود بطورِ محالِ تام آیا ہے۔ لہٰذا اس سے یہ مفہوم اخذ کرنا منشاءِ قرآنی کے خلاف ہے کہ قانونِ جاریہ کے خلاف کسی معجزاتی یا کراماتی طور پر سوئی کے

ناکے سے جہاز کا موٹا رسّہ گزر بھی سکتا ہے۔اور کسی نبی ولی کی سفارش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات کو جھٹلانے والوں اور تکبّر کے ساتھ ان کا مذاق اڑانے والوں کا جنّت میں داخلہ بھی ممکن ہے۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے کہ جس طرح سوئی کے ناکے سے باریک دھاگے کی بجائے موٹے رسّے کا گزرنا محالِ تام ہے۔اسی طرح آیاتُ اللہ کی تکذیب کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہونا بھی محالِ تام، یعنی مطلقاً ناممکن ہے۔

فلہٰذا ترجمہ وتفسیر زیرِ نظر میں محالاتِ تامہ کو جن پر مشاہداتِ عالم کی مُہرِ تصدیق ہر آن ثبت ہو رہی ہے، قرآنِ کریم کے کسی مقام پر بھی واقعاتی رنگ دے کر قوانینِ کائنات کی مخالفت نہیں کی گئی۔ بلکہ جس امر پر کوئی محالِ تام لایا گیا ہے اُسے مطلق نفی کی دلیل مانا گیا ہے۔

پس **قرآن فہمی کا اکیسواں اصول** یہ ہے کہ کلام مقصود اور غیر مقصود میں فرق کیا جائے اور کلام غیر مقصود کا سہارا لے کر قرآنِ حکیم میں کسی قسم کے چیستانی تصوّرات پیدا کر کے قوانینِ الٰہی کی مخالفت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

22. انقسامِ مفہوم مطابق قرآنی کلیہ جات وعالمی مشاہدات

سورۃ بقرۃ میں آیا ہے کہ اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ لوگو! یا یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے:۔

❁ وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا 2/135

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہود ونصاریٰ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ یہودی اور نصرانی دونوں ہدایت یافتہ ہیں؟ کیا اگر کوئی نصرانی یہودی ہو جائے تو نصاریٰ اُس پر خوش ہوتے، اور اُسے ہدایت یافتہ مان لیتے ہیں؟ اور اسی طرح اگر کوئی یہودی نصرانی ہو جائے تو کیا اس پر یہودی خوش ہوتے اور اسے ہدایت یافتہ گردان لیتے ہیں۔ اِس سوال کا جواب اِسی سورت کی آیت نمبر 113 میں دیا گیا ہے کہ یہودو

نصاریٰ دونوں ہی ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں۔تو پھر اُن کا متفقہ فیصلہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ یہودیوں کے نزدیک نصرانی اور نصرانیوں کے نزدیک یہودی ہدایت یافتہ ہیں۔دیکھئے ارشادِ باری:۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ص وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ 2/113

لہٰذا اِس آیتِ مجیدہ 2/113 اور یہود و نصاریٰ کی مشاہداتی شہادت سے بالتصریح ثابت ہوا کہ آیت نمبر 2/135 قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى کا معنیٰ انقسامِ مفہوم کی رُو سے یہ ہوگا کہ:۔ یہودی کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ تو ہدایت پالو گے اور نصاریٰ کہتے ہیں نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔

22.1 تحفّظِ ناموسِ رسالت

سابقہ تراجم وتفاسیر میں قرآن فہمی کے مذکورۃ الصدر اصول کو نظرانداز کرنے سے ناموسِ رسالت تک کا عدم تحفّظ پایا گیا ہے۔جیسے کہ سورہ بقر میں آیا ہے:۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ط اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ o 2/214

اس آیت کے ترجمہ میں سابقہ مشہور مترجمین شاہ رفیع الدین، شاہ اشرف علی، شاہ عبدالقادر، سید مقبول احمد شیعہ، ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی ثناء اللہ صاحبان رحم اللہ علیہم نے یہ مفہوم پیش کیا ہے کہ سابقہ اقوام پر جب سختی کا وقت آتا تھا۔تو مومنوں کی جماعت اپنے رسولؑ سمیت پکار اٹھتی تھی کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔یعنی مومن بھی گھبرا جاتے تھے اور رسولؑ بھی گھبرا اٹھتے تھے۔حالانکہ انقسامِ مفہوم کے قرآنی اصول کے مطابق اِس آیتِ مجیدہ میں اللہ کے رسولؑ اس الزام سے بری ہیں۔ قرآنی کُلیہ کے مطابق آیتِ مجیدہ کا صحیح مفہوم تو ذرا آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

پہلے آپ سابقہ مشہور تراجم میں سے شاہ اشرف علی صاحب مرحوم کا مشہور و مقبول ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں دوسرے تراجم کی طرح خود رسولوں کے بھی گھبرا اٹھنے کی خبر دی گئی ہے:-

''دوسری بات سنو کیا تمہارا خیال ہے کہ جنّت میں (بے مشقّت) داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ تم کو ہنوز اُن (مسلمان) لوگوں کا سا عجیب واقعہ پیش نہیں آیا۔ جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ اُن پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقعہ ہوئی اور (مصائب) سے ان کو یہاں تک جُنبشیں ہوئیں کہ (اُس زمانے کے) **پیغمبر تک** اور جو اُن کے ہمراہ اہلِ ایمان تھے بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد (موعود) کب ہو گی؟ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی امداد بہت نزدیک ہے''۔ (ترجمہ شاہ اشرف علی صاحب مرحوم)

غور فرمائیے گا! کس طرح اللہ تعالیٰ کے مقدّس رسولوں کے عزم و استقلال پر حرف آتا ہے۔ کہ خود **پیغمبر تک** گھبرا کر پکار اٹھتے تھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ حالانکہ انبیاء سلامٌ علیہم کے متعلق گھبراہٹ کا سوال کیسا۔ مثلاً قوم بنی اسرائیل نے جب موسیٰ ؑ کی معیّت میں ہجرت کی اور فرعون تعاقب کر کے اُن کے قریب پہنچ گیا تو اُنہوں نے گھبرا کر کہا:- اِنَّـا لَـمُدْرَكُوْنَ 26/61 'بے شک ہم پکڑے جانے والے ہیں۔ لیکن موسیٰ ؑ نے فرمایا:- ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وہ عنقریب مجھے کامیاب کرے گا:۔ قَـالَ كَلَّا ج اِنَّ مَـعِـىَ رَبِّـىْ سَيَهْدِيْنِ o 26/62

یاد رہے کہ رُسل انبیاءؑ کے لئے گھبراہٹ کا تصوّر اخذ کرنا، صرف قرآنی کلیہ انقسامِ مفہوم کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے۔ اب آیتِ بالا 2/214 کا صحیح مفہوم ملاحظہ فرمائیں، جو انقسامِ مفہوم کے قرآنی کلیہ کے مطابق درج ذیل ہے:-

''ایمان والو! کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ جنّت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ اُنہیں تنگی اور

سختی پہنچی۔اور وہ اِس قدر جھٹکائے گئے کہ اللہ کے رسولؐ اور اُس کے ساتھی مومن بول اٹھے۔(مومنوں نے کہا) اللہ کی مدد کب آئے گی۔(اللہ کے رسول نے فرمایا) یاد رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہے، آیا ہی چاہتی ہے۔

دیکھا آپ نے! کہ لف نشر غیر مرتّب کے مطابق ''يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ'' کے الگ الگ قول اُسی طرح انقسامِ مفہوم کی رُو سے نکھر کر سامنے آ رہے ہیں، جس طرح ''قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا'' میں یہود ونصاریٰ کے الگ الگ اور مختلف ومتضاد اقوال بالصّراحت موجود ہیں۔

پس **قرآن فہمی کا بائیسواں اصول** یہ ہے کہ خود قرآنِ حکیم اور عالمی مشاہدات کی مخالفت سے بچنے کے لئے انقسامِ مفہوم کے قرآنی کُلیہ پر عمل کرنا ضروری ہے۔

فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں قرآنی ہدایت کے مطابق ''انقسامِ مفہوم مطابق کلیاتِ قرآنیہ ومشاہداتِ عالم'' کو بھی اُس کے ہر مقام پر مدّنظر رکھا گیا ہے۔ اور اس قرآنی اصول کو بھی ہرگز نظر انداز نہیں کیا گیا۔

23. تشریح الفاظ وآیات بذریعہ تقابلِ ضِدّین

قرآنِ حکیم میں قرآن فہمی کا ایک اور اصول بھی مذکور ہے۔وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدّس کے مخصوص اسلوبِ بیان میں ایک انداز یہ بھی رکھا ہے۔کہ بعض مقامات پر الفاظ واصطلاحات کا مفہوم تقابلِ ضدّین کے ذریعہ بھی واضح کرتا چلا جاتا ہے۔مثلاً الفاظ کی وضاحت کے لئے نور کی ضِد ظلمت، لیل کی ضِد نہار، ہدایت کی ضِد ضلالت اور جنّت کی ضِد جہنم وغیرہ لا کر تشریح کر دیتا ہے۔یہی حال ہے اصطلاحات کا۔مثلاً قرآنِ کریم کی ایک اصطلاح ہے **الصلوٰۃ**۔جس کا عام طور پر صلوٰۃِ موَقّت (نماز) ہی معنیٰ لیا جاتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے تقابلِ ضِدّین کے

ذریعہ اِس اِصطلاح کا ایک معنیٰ بتایا ہے ''پوری پوری فرمانبرداری کرنا''۔ جیسے کہ سورہ قیامت میں نافرمان انسان کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

فَلاَ صَدَّقَ وَ لاَ صَلّٰی 75/31

وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی 75/32 ....پس:-

یہی تقابلِ ضِدّین ملاحظہ ہو کہ صَدَّقَ کی ضِد کَذَّبَ آئی ہے۔ اور صَلّٰی کی ضِد تَوَلّٰی بمعنی روگردانی، نافرمانی آئی ہے۔ یعنی سچ کے مقابلے پر جھوٹ اور صلوٰۃ کے مقابلے میں نافرمانی لا کر وضاحت کردی ہے کہ صلوٰۃ کا ایک معنٰی نافرمانی کی ضِد فرمانبرداری ہے۔

پس **قرآن فہمی کا تئیسواں اصول** یہ ہے کہ مفہومِ قرآن کے لئے اِس کے پیش کردہ تقابلِ ضِدّین کو ہمیشہ نگاہ میں رکھا جائے۔ **فلٰہذا** زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر میں تقابلِ ضِدّین کے قرآنی کلیہ سے بھی پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے۔

24. جملہ ہائے اعتراض

قرآنِ کریم کے اسلوبِ بیان کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ اِس کی آیات کریمات میں جملہ ہائے اعتراض بھی موجود ہیں۔ اگر آیتِ مجیدہ میں مذکور معترضہ جملے کو الگ کر کے تقدیرِ کلام مرتب کی جائے تو فہمِ قرآن بالکل آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً ذیل کی آیتِ مجیدہ پر غور فرمائیں۔ اِس میں خط کشیدہ الفاظ جملہ معترضہ ہے:-

۞ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ ز اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ o 7/42 خط کشیدہ جملہ، جو اس آیت میں جملہ معترضہ ہے، اگر الگ نہ کیا جائے تو اس کا ترجمہ یہ ہے:-

''اور جو لوگ ایمان لائیں اور اصلاح کے کام کریں۔ ہم کسی پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے ۔ وہ اہلِ جنّت ہیں اُس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

متن اور ترجمہ دونوں کے خط کشیدہ جملوں پر غور فرمائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ مجیدہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔لیکن یاد رکھیئے گا۔ کہ قرآنِ کریم کا یہ مستقل ومخصوص طرزِ بیان ہے کہ عموماً ہر اعتراض کا جواب جو کسی جملے پر پیدا ہوتا ہو، جملہ ہائے اعتراض کی صورت میں، ساتھ کے ساتھ دیتا چلا جاتا ہے۔ اِس آیتِ مجیدہ میں ''اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' کے الفاظ سے ہر ذہن پر الگ الگ دباؤ پڑتا ہے کہ نہ جانے اعمالِ صالحہ کتنی مشکل چیز ہے جو شاید مجھ سے ادا نہ ہو سکے۔ فلٰہذا قرآنِ کریم نے آگے بڑھنے سے پہلے اس سوال کا جواب دے دیا ہے کہ اعمالِ صالحہ کا معیار ہر شخص کی ذاتی وسعت کے مطابق ہے۔ ہم کسی فرد پر اُس کی طاقت سے زائد بوجھ ڈالتے ہی نہیں۔ اِس طرح ذہنی بوجھ کو ہلکا کرنے اور ذہن میں پیدا ہونے والے سوال کا جواب دے چکنے کے بعد ''اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ''اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ'' یہی لوگ اہلِ جنّت ہیں۔ وہ اِس میں ہمیشہ رہیں گے۔ فلٰہذا آیتِ مجیدہ کے مفہوم کو آسان تر کرنے کے لئے جملہ معترضہ کو الگ کرنے سے تقدیرِ کلام یہ ہے:-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ــــــ جملہ معترضہ ــــــ اُولٰئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ o

(مفہوم) اور جو لوگ ایمان لائے اور اصلاح کے کام کئے ــــــ جملہ معترضہ ــــــ یہی لوگ اہلِ جنّت ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جملہ ہائے اعتراض کا اسلوب، قرآنِ کریم میں اِس طرح بھی موجود ہے کہ ربطِ کلام کے مطابق بعض جگہ جملہ معترضہ سوسو ڈیڑھ ڈیڑھ سو آیاتِ کریمات پر مشتمل بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً سورہ نساء میں وراثت کے مسائل آیت نمبر 11 تا 13 میں، از **يُوْصِيْكُمُ اللهُ** تا **تِلْکَ حُدُوْدُ الله** ....الخ بیان ہوئے ہیں۔ اوران کا تتمّہ آیت نمبر 176 میں آیا ہے۔

پس **قرآن فہمی کا چوبیسواں اصول** یہ ہے کہ جملہ ہائے اعتراض کو نگاہ میں رکھا جائے۔

25. قرآنِ کریم اپنی لُغت آپ پیش کرتا ہے

انسانی لُغت تغیّر پذیر ہوتی ہے۔تغیّر زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض الفاظ کا مفہوم بھی بدل بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔مثلاً صبر، شکر، توکّل، دین، صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ بیسیوں الفاظ ہیں جن کا مفہوم بدل چکا ہے۔لیکن اللہ علیم وخبیر نے اِس مشکل کا حل بھی اپنی مکمل واکمل کتابِ مجید میں خود محفوظ کر کے اِسے تغیّر پذیر لُغتوں سے بے نیاز کر دیا ہوا ہے۔اِس کے نہ صرف الفاظ، بلکہ اُن کا مفہوم بھی زمانے کی دست بُرد سے محفوظ کر دیا ہے۔**اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ o** 15/9 ......مثلاً لفظ:-

25.1 صبر

کا معنٰی آج خود عربوں کے ہاں خصوصاً، اور عجمیوں کے ہاں عموماً یہ متعیّن ہو چکا ہے کہ مصائب زمانہ اور ظالموں کے ظلم کو، انتہائی بے بسی کے ساتھ برداشت کرتے چلے جانا صبر ہے۔زیادہ سے زیادہ یہ کہ مَدِّ مقابل کو کہہ دیا جائے کہ میرا تو صبر ہی ہے حالانکہ قرآنِ حکیم نے بالفاظِ ذیل، صابرین کی تعریف میں صبر کے معنٰی خود متعیّن کر دیئے ہیں۔''شاہراہِ زندگی میں پیش آنے والی ہر مصیبت کا اِس طرح سینہ تان کر مقابلہ کرنا کہ۔سستی کمزوری اور بددلی قریب تک نہ پھٹکنے پائیں''۔

۞ **وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ o** 3/146 = اور نبیوں میں سے بہت سے نبی ایسے تھے کہ جن کی معیّت میں بہت سے رب والوں نے (مخالفینِ ربوبیّت کے ساتھ) جنگ کی۔پھر اللہ کی راہ میں اُن پر جو مصیبت آئی نہ اُس سے وہ سُست گام ہوئے، نہ اُن میں کمزوری ہی آئی، اور نہ وہ

(تھک ہار کر کوشش چھوڑ کر) بیٹھ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (یعنی مشکلوں کا خم ٹھونک کر مقابلہ کرنے والوں) کو پسند کرتا ہے۔ اِسی طرح:-

25.2 **شُکر** کا معنٰی بھی قرآنی لُغت کے خلاف متعیّن ہو چکا ہے کہ ناہموار نظام کی غلط بخشیوں کی بدولت، اگر بھوک، ننگ اور ذِلّت و مسکنت کسی پر مُسلّط ہوتی چلی جائے تو اُس پر خوش رہے اور یہ کہے کہ باری تعالیٰ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھ پر، کہیں اس سے بڑی ذلت مسلّط نہیں کر دی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بھوک ننگ کا نہیں، بلکہ نعمتوں کا شکرادا کرنے کا حکم دیا ہے:-

❁ وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ o 16/114= اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو، اگر تم اُسی کے فرمانبردار ہو۔ سورۃ الدہر میں۔ شکر کا معنٰی ''محنت وکوشش کا بھرپور نتیجہ'' بتایا گیا ہے...... چنانچہ اہلِ جنّت کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

❁ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا o 76/12.= اُن کے مستقل مزاج رہنے کا بدلہ ہے جنّت اور ریشم۔ اُنہیں کہا جائے گا

❁ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا o 76/22 = بیشک یہ تمہارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری سعی **مشکور** ہے (یعنی تمہاری محنت وکوشش کا یہ بھرپور نتیجہ ہے جو تمہیں میسّر آیا ہے)۔ سورہ بقر میں آیا ہے:-

❁ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ 2/158 =پس اللہ تعالیٰ محنت کا بھرپور ثمر عطا کرنے والا صاحب علم ہے۔

پس قرآنی لُغت کی رُو سے شکر کا معنٰی ہے ایسی بھرپور کوشش کرنا، کہ اُس کا بھرپور نتیجہ برآمد ہو۔ خواہ وہ کوشش قوانینِ کائنات سے متعلق ہو، خواہ قوانین شرعیہ سے متعلق۔

25.3 **توکّل:** صبر اور شکر کے بعد توکّل کا معنٰی بھی مطلقاً غیر قرآنی مشہور ہو

چکا ہے کہ جو کام بِلا سوچے سمجھے کیا جائے یا جس کی تکمیل کے اسباب موجود ہی نہ ہوں، تو اس کے لئے کہا جاتا ہے توّکل علی اللہ۔ حالانکہ قرآنِ کریم نے، معاملہ درپیش کے متعلق پہلے تو خود رسالتمآبؐ کو صحابہؓ کے ساتھ مشاورت کا حکم دیا ہے:-

❁ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ 3/159 = اور جب آپس کے پورے غور وخوض کے ساتھ لائحۂ عمل مرتب کرلیا جائے۔ تو پھر ارشاد ہوتا ہے:-

❁ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ 3/159۔ پھر جب تو باہمی مشاورت کے بعد طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کرے تو پھر اُس پروگرام پر پورا پورا عمل کرتے ہوئے اللہ پر توّکل کر۔

دیکھا آپ نے! کہ قرآنی لُغت میں بِلا سوچے سمجھے کام کرنے کو توّکل نہیں بتایا گیا۔ بلکہ کابینہ کا بورڈ بٹھا کر اور معاملہ درپیش کے ہر پہلو پر نگاہ رکھتے ہوئے لائحۂ عمل مرتب کرنے اور اُس پر پورا پورا عمل کرنے کو توّکل کہا ہے۔ توّکل کا لفظی معنٰی ہے بھروسہ کرنا۔ اب ظاہر ہے کہ معاملہ درپیش کے متعلق مجلس مشاورت میں جو طریق کار مرتّب کیا جائے گا۔ اُس کا اللہ تعالٰی کے اُن کائناتی قوانین کے عین مطابق ہونا لازم ہے۔ جن کے متعلق اللہ تعالٰی کا فیصلہ ہے لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ 10/64 اور فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا 35/43۔ اور یہی وہ قوانینِ الٰہیہ ہیں جو کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ مثلاً یہ امر ناقابل تردید ہے کہ لوہا پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ لیکن جب اُس کی چادر بنا کر جہاز بنالیا جائے تو قوانین الٰہی کے مطابق نہ یہ کہ لوہا خود تیرنے لگتا ہے۔ بلکہ سینکڑوں افراد کو بھی سمندر پار لے جاتا ہے۔ اسی طرح قوانینِ الٰہی کے مطابق ریلیں، موٹریں اور ہوائی جہاز وغیرہ اُس وقت تک کبھی دھوکا نہیں دیتے جب تک حضرتِ انسان سے کوئی قانونی تقصیر واقع نہ ہو۔ فلہٰذا قرآنی لُغت کے مطابق اللہ تعالٰی کے خود پیدا اور مقرر کردہ قوانینِ کائنات پر بھروسہ کرنا توّکل علی اللہ ہے۔

25.4 دین: اِسی طرح ایک لفظ ہے ''دین''۔ جس کے معنے رسمی نماز روزہ

لے لیا گیا ہے۔ اور محض نماز روزہ ادا کرنے والے کو کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا دیندار ہے۔ خواہ وہ اصل دین یعنی ربوبیّتِ عامہ کے تصوّر تک سے ناآشنا ہو۔ قرآنِ کریم نے سورہ یوسف میں دِیۡنِ الۡمَلِکِ 12/76 بمعنی شاہِ مصر کا قانون، اور سورہ نور میں زانی اور زانیہ کو سزا دینے میں رعایت نہ برتنے کے حکم میں "وَلَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِهِمَا رَاۡفَةٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ" 24/2 کے الفاظ لا کر، کہ اللہ کے قانون میں تمہیں اُن پر رحم نہیں آنا چاہئے، خود بتا دیا ہے کہ دین کا ایک معنٰی قانون ہے۔ کسی بادشاہ کا قانون ہو تو اُسے دِیۡنُ الۡمَلِک کہا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون دینُ اللہ کہلاتا ہے۔ قانون کی اساس چونکہ عدل وانصاف پر قائم ہوتی ہے۔ اِس لئے قرآن نے یَوۡمُ الدِّیۡن کہا ہے عدل وانصاف کے دِن، یعنی بدلے کے دِن کو...... اُوپر بتایا جا چکا ہے کہ:-

قرآنی لُغت کے مطابق اصلِ دین ہے ربوبیّتِ عامہ...... قرآنِ کریم کی بنیادی تعلیم صرف اور صرف ربوبیّتِ عامہ ہے۔ جیسے کہ اس مقدّس ضابطۂ حیات کی ابتداء بھی ربوبیّتِ عامہ ہی سے ہوئی ہے:- اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡن 1/1۔ اور اس کا اختتام بھی ربوبیّتِ عامہ ہی پر ہوا ہے:- قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ 114/1۔ چنانچہ سورہ ماعون نمبر 107 میں بالصّراحت بتا دیا گیا ہے کہ **ربوبیّتِ عامہ ہی دین الٰہی ہے:-**

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o — اللہ صاحب بخشش عامہ اور رحمت خاصہ کے نام کے ساتھ غور کر۔

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ o فَذَالِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ o وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ o فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ o الَّذِیۡنَ هُمۡ — کیا تو نے اُس شخص پر غور نہیں کیا، جو اللہ کے **دین** کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہ ہے جو بے سہارہ لوگوں کو دھکّے دیتا ہے، اور جو افراد کسی وجہ سے ساکن ہو جائیں، اُن کی غذائی ضروریات تک بہم پہنچانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ تباہی ہے اُن مصلّین (نمازیوں) کے لئے جو اپنی صلٰوۃ سے

عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ بے خبر ہیں۔ جو نمازیں دکھلاوے کی پڑھتے ہیں۔
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ اور رزق کے سرچشموں کو روک دیتے ہیں (کہ وہ
وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ○ ضرورت مندوں تک پہنچنے نہ پائیں)۔

دیکھا آپ نے! آیاتِ بالا میں کس وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ قرآنی لُغت کی رُو سے **دین** کا معنٰی بِلا تمیز اعلیٰ وادنیٰ سب کی ربوبیّت کرنا ہے۔ اور جو لوگ رزق کے سرچشموں پر قابض ہو کر ربوبیّتِ عامہ میں رکاوٹ بن جائیں وہ دین کو جھٹلانے والے ہیں۔ یعنی اللہ کے دین کی تصدیق ربوبیّتِ عامہ کو بروئے کار لانا ہے۔ اِسی آئینِ ربوبیّت کو قرآنِ کریم میں اَلدِّيْن کہا گیا ہے۔ اور اِسی آئین سے متعلقہ بازپُرس کے دن کو **يَوْمُ الدِّيْن** کہا ہے۔

25.5 سحرٌ اِس لفظ کا معنٰی عام تفاسیر وتراجم میں لیا گیا ہے جادُو اور جادُو سے مُراد لی جاتی ہے نام نہاد کالا علم۔ یعنی زبان سے کچھ الفاظ ادا کئے جائیں اور آدمی کا گھوڑا یا گھوڑے سے مکھی بن جائے۔ قرآنِ کریم نے تقابلِ ضِدّین کے ذریعہ سحر کا معنٰی بتایا ہے جھوٹ۔ کیونکہ یہ لفظ قرآنِ کریم میں حق کے مقابلے پر لایا گیا ہے:-

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْآ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ 10/76 = پس جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق سچ آ گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ظاہراً سحر (ظاہراً جھوٹ ہے)...... جھوٹ چونکہ دھوکا دہی کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے قرآن نے سحر کا معنٰی دھوکا بھی بتایا ہے:-

❁ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ .... قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○ 23/86-89 ۔ اے رسولؐ! ان سے پوچھیئے گا کہ یہ اَن گنت سماوات اور یہ عظیم سلطنت کس کی ہے۔ وہ ضرور کہیں گے اللہ کی ہے.......... آپ کہہ دیجئے گا کہ پھر تم کو کہاں سے سحر ہو گیا ہے۔ یعنی پھر تمہیں اللہ

کے ساتھ شریک کرنے میں کہاں سے دھوکا لگ گیا ہے۔ پس قرآنی لُغت کے مطابق سحر کا معنٰی جھوٹ اور دھوکا ہے جادُو نہیں۔

25.6 **اِذن** اسی طرح کا ایک لفظ ہے اِذن۔ جس کا معنٰی اجازت وحکم بھی ہے اور قانون بھی:-

❁ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا 22/39= جن لوگوں کے ساتھ جارحانہ جنگ کی جائے۔ اُنہیں مدافعانہ جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ تو ہوا اِذن بمعنی اجازت۔ اِس کے علاوہ قرآنی لُغت کی رُو سے اِذن کا معنٰی قانون بھی ثابت ہے:-

❁ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ............ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ 7/58-57= پس ہم اُس بادل کے ذریعہ پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اُس پانی کے ساتھ ہر قسم کے میوے نکالتے ہیں۔ اور جو عمدہ زمین ہے اس کی نباتات اللہ کے اِذن (قانون) کے ساتھ عمدہ اور تندرست پیدا ہوتی ہے۔ اور جو خبیث یعنی ناقص زمین ہے اُس میں سے اللہ کے اِذن یعنی قانون سے ناقص پیداوار ہی نکلتی ہے......

دیکھئے اِن آیاتِ کریمات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے اِذن کے ساتھ عمدہ زمین سے عمدہ پیداوار نکلتی ہے اور ناقص زمین سے ناقص پیداوار پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی اللہ تعالٰی کا قانونِ جاریہ ہے۔ جس کے لئے اِذن کا لفظ لایا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خود قرآنی لُغت کی رُو سے اِذن بمعنی قانون بھی ہے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے قانون کی اس حد تک اہمیت بیان فرمائی ہے کہ قرآنِ کریم کے متعلق جو مشہور ہے کہ اس کی آیاتِ کریمات کے ساتھ خرقِ عادات کا ظہور ہوسکتا ہے۔ ایسے نظریات تک کا بطلان کر کے اعلان کر دیا گیا ہے کہ جادو سحر وغیرہ کا روئے زمین پر وجود تک ہی موجود نہیں۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:-

✿ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ط بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ط 13/31۔ اگر (کوئی پڑھنے کی چیز یعنی) کوئی قرآن ایسا ہوتا، جس سے پہاڑ چلائے جاسکتے۔ یا اُس سے زمین کی مسافت طے کی جاسکتی، یا اُس کے ذریعہ مُردوں کے ساتھ باتیں کی جاسکتیں (تو اِس قرآن کے ساتھ بھی ایسا ہوسکتا تھا) حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب کام اللہ ہی کے لئے ہیں۔ یعنی اللہ کے قانون کے مطابق ہی طے پاتے ہیں......اب امر بمعنی قانون بھی قرآنِ کریم ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

25.7 اَلْاَمْرُ امر بمعنی کام اور مُہم بھی آیا ہے:-وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ 3/159۔ اے رسولؐ! اہم کاموں، مُہمّوں کے لئے صحابہؓ کے ساتھ مشورہ فرمایا کریں...... لیکن امر بمعنی قانون بھی قرآنِ کریم میں آیا ہے:-

✿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ط 22/65۔کیا تو نے غور نہیں کیا۔یعنی تجھے غور کرنا چاہئے کہ بے شک زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے، خصوصاً کشتیاں، جو سمندر میں اللہ کے امر (قانون) کیساتھ چلتی ہیں...... دیکھئے یہاں بتایا گیا ہے کہ کشتیاں اللہ کے امر کے ساتھ چلتی ہیں۔اب اظہر من الشّمس ہے کہ کشتیاں اور لوہے کے بڑے بڑے جہاز اُسی وقت سمندروں میں تیرتے ہیں۔جب اللہ تعالیٰ کے اُس قانون کے مطابق بنائے گئے ہوں جو اُس نے خود مقرر کر دیا ہوا ہے کہ پانی میں تیرتی صرف وہ چیز ہے جو اپنے حجم کے پانی کے وزن سے ہلکی ہو۔اور جو چیز اپنے حجم کے پانی کے وزن سے بھاری ہو، وہ ڈوب جاتی ہے۔پس یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔جس کے لئے اس آیت میں امر کا متبادل لفظ آیا ہے وَالْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ۔

25.8 قرآنِ کریم میں بعض مقامات پر لفظ اللہ سے مُراد اللہ کا قانون ہے۔

ا۔ سورۂ نساء میں منافقوں کے ایک قول کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

❁ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِاللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِاللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ٥ 4/78...... عام تراجم میں اِس آیت کا معنٰی یہ لیا گیا ہے کہ:- اِن منافقوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو (اے رسولؐ! آپ کو) کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ (نفع نقصان) سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر اِنہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ بات کو سمجھنا نہیں چاہتے۔ (ملخص تراجم شاہ اشرف علی صاحب، مولوی احمد علی صاحب، مولوی ثناء اللہ صاحب اور مقبول احمد شاہ صاحب شیعہ)

2. اب دیکھئے! اس کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِاللّٰهِ کا مفہوم، روایتی تراجم نے یہ لیا ہے کہ، نفع اور نقصان، سُکھ اور دُکھ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ کتبِ روایات میں ہے کہ بھلائی اور بُرائی روزِ ازل کی لکھی ہوئی ہے۔ (بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ) یعنی آیتِ بالا میں منافقوں کو اِسی روایتی مفہوم کی مخالفت پر تنبیہہ کی گئی ہے کہ اُنہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ بھلائی کو اللہ کی طرف اور بُرائی کو رسولؐ کی طرف کیوں منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ چاہیئے یہ کہ بھلائی اور برائی دونوں کو اللہ تعالٰی کی طرف منسوب کریں...... لیکن یہاں ایک ایسی ٹھوکر کھائی گئی ہے کہ اگر اُس کو سمجھا نہ جائے، اور آیتِ بالا کا مفہوم منشاءِ الٰہی کے مطابق نہ لیا جائے تو اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ، معاذ اللہ استغفر اللہ

منافقوں کے قول کی تصدیق اور الٰہی قول کی تکذیب کرتی ہے دیکھئے ارشاد ہوتا ہے:-

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ط 4/79 = اور اے رسولؐ! آپ کو جو بھلائی پہنچتی ہے۔ پس وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو آپ کو برائی پہنچتی ہے وہ خود آپ کی طرف سے ہے...... اب غور فرمائیے گا! کہ 4/78 میں منافقوں کے متعلق بھی تو اُن کے اِسی قول کی خبر دی گئی ہے کہ بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور بُرائی آپ کی طرف سے ہے۔ اور یہاں خود بھی یہی کچھ کہا جا رہا ہے کہ بھلائی اللہ کی طرف سے اور بُرائی آپ کی طرف سے ہے۔ تو پھر منافقوں پر لَا یَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا کی تنبیہہ نازل کرنا کہاں کا انصاف ہوا؟

حقیقت حال اب چونکہ اللہ تعالیٰ اس عیب سے پاک ہے کہ اگر منافق بھلائی کو اللہ کی طرف اور بُرائی کو رسولؐ کی طرف منسوب کریں تو اُنہیں تو ڈانٹ پلا دے۔ اور آپ اگلی ہی آیت میں وہی کچھ کہہ دے جس پر منافقوں کو مُتنبّہ کیا گیا ہے۔ فلہٰذا 4/78 کے الفاظ هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں لفظ اللہ سے مُراد اللہ ہے۔ اور کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں لفظ اللہ سے مُراد **اللہ کا قانون** ہے۔ اور آیتِ مجیدہ 4/79 اِسی مفہوم کی تائیدی اور تفسیری آیت ہے۔ اب ہر دو آیاتِ کریمات کا مسلسل قرآنی مفہوم ملاحظہ فرمائیں:-

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ج وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِکَ ط اور اگر اِنہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر اِنہیں برائی پہنچتی ہے تو (اے رسولؐ! آپ کو) کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے۔ (یعنی آپ کی غلط تدابیر کا نتیجہ ہے)۔

قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط آپ کہہ دیجئے گا کہ حقیقت یہ ہے کہ بھلائیاں اور

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا برائیاں سب اللہ کے قانون کے مطابق آتی ہیں۔ پھر
یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًاo اِنہیں کیا ہوگیا ہے کہ یہ بات کو سمجھنا چاہتے ہی نہیں۔
4/78

یعنی واضح یہ کیا گیا ہے کہ مثلاً، اگر راہ میں پڑے ہوئے پتھر سے بچ کر نکل جائیں تو ٹھوکر نہیں لگتی، یہ بھلائی بھی اللہ کے قانون کے مطابق آتی ہے کہ پاؤں اس لئے محفوظ رہا ہے کہ پاؤں اور پتھر کا تصادم نہیں ہوا۔ اور اگر غفلت و بے توجہی کی بدولت پاؤں اور پتھر میں تصادم ہو جائے تو یہ تکلیف و برائی بھی اللہ کے قانون کے مطابق آتی ہے کہ پاؤں اور پتھر کے تصادم میں پتھر کا کچھ نہیں بگڑے گا پاؤں ہی زخمی ہوگا...... چنانچہ منافقوں کو مُتنبّہ کیا گیا ہے کہ جہاں بُرائیاں، سَیّئات کسی غلط تدبیر کا نتیجہ ہوتی ہیں، جو قانونِ الٰہی کی مخالفت پر مبنی ہوتی ہے۔ وہاں حسنات بھی حُسنِ تدبیر ہی کا نتیجہ ہیں جو قانونِ الٰہی کی موافقت کا ماحصل ہوتا ہے اور اِس مستقل قانون کے مطابق اگلی آیتِ مجیدہ میں خود رسالتمآب ﷺ کو بھی مُتنبّہ کر دیا گیا ہے کہ آپ بھی ہمارے اِس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اوپر تو مُنافقوں کا تذکرہ تھا۔ لیکن اِس سے آگے آپ بھی سُن لیجئے گا:-

مَآ اَصَابَكَ مِنْ (اے رسول ﷺ!) خود آپ کو بھی جو بھلائی پہنچے گی۔ وہ بھی اللہ
حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز کے قانون کے مطابق ہی پہنچے گی (یعنی وہ آپ کے اُن
وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ افعال کا نتیجہ ہوگی جو قانونِ الٰہی کے مطابق ہوں گے) اور
سَیِّئَةٍ فَمِنْ آپ کو جو تکلیف پہنچے گی (وہ بھی اللہ کے قانون کے مطابق
نَّفْسِكَ ط پہنچے گی) وہ خود آپ کی طرف سے ہوگی (یعنی کسی تدبیری

وَاَرۡسَلۡنٰکَ لِلنَّاسِ   کمزوری کا نتیجہ ہوگا [1]۔ ہمارا قانون کسی کی رعایت نہیں
رَسُوۡلًا ؕ وَکَفٰی   کرتا) ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے پیغام رساں بنا کر بھیجا
بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا ۝   ہے۔ (قانونِ مشیّت میں دخیل نہیں بنایا) اور اِس پر خود
4/79   اللہ تعالیٰ ہی کافی گواہ ہے۔

آیاتِ بالا میں آپ نمبر 1 ، اور نمبر 2 کی بحث میں دیکھ چکے ہیں کہ اگر روایاتی تراجم کے مطابق یہاں لفظ اللہ سے مُراد، اللہ کا قانون نہ لیا جائے۔ تو پہلے نمبر پر آیات نمبر 4/78 اور 4/79 میں تضاد وتخالف پایا جاتا اور یہ باہم متصادم پائی جاتی ہیں اور دوسرے نمبر پر معاذ اللہ معاذ اللہ قولِ الٰہی کی تکذیب اور منافقوں کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

فلہٰذا ترجمہ اور تفسیر زیرِ نظر میں اِن آیاتِ کریمات کے فیصلے کے مطابق کہ قرآنی لُغت میں لفظ اللہ سے اللہ کا قانون بھی مُراد ہے۔ اِس لئے سیاق وسباق اور ربطِ کلام کے مطابق بعض مقامات پر اللہ سے مُراد اللہ کا قانون لیا گیا ہے۔

1۔ ہمیں ناموسِ رسالت ہر آن عزیز ہے۔ تدبیری کمزوری کے الفاظ سے کوئی حرف رسولؐ کی ذاتِ اقدس پر ہماری طرف سے تصوّر نہ کریں۔ یہ بالکل اُسی طرح ہے کہ جیسے ایک جنگ کے موقعہ پر کچھ منافقوں نے عُذر بہانے کر کے جنگ میں عدم شمولیّت کی اجازت لے لی تھی اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مُتنبّہ فرمایا تھا: - لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ 9/43 = آپ نے کیوں اجازت دے دی ہے۔ اور اس طرح جو نقصان ہوا اُس کی وضاحت آیتِ مجیدہ کے اگلے الفاظ میں ہے: - حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ تَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ ۝ 9/43 = اِس طرح آپ پر سچے مسلمان نکھر کر عیاں ہو جاتے۔ اور جھوٹوں، یعنی منافقوں کو آپ جان لیتے۔

26: اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ

جس طرح قرآنی الفاظ کے معانی کے ضمن میں سابقہ تفاسیر وتراجم میں نفسِ مضمون، سیاق وسباقِ کلام اور حقیقتِ حال سے بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ اُسی طرح بعض جملوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک روا رکھا گیا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم کا ایک جملہ ہے:- اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ

26.1 حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے:

سابقہ تفاسیر وتراجم نے اِس جملہ کا یہ مفہوم لیا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ سے مُراد ہے قرآن کی اطاعت اور اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے روایات کی اطاعت مقصود ہے۔ یعنی اِس آیتِ کریمہ سے دینِ اسلام میں، اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبولؑ کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصوّر دیا جاتا ہے لیکن آیتِ ذیل کے مطابق قرآنِ کریم کی رُو سے اللہ اور رسولؑ کی الگ الگ دو اطاعتوں کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اطاعت ہوتی ہے حکم کی۔ اور صاحب حکم صرف اللہ تعالیٰ ہے:-

❁ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط 6/57 + 12/40 = اللہ کے سِوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں...... نیز فرمایا ہے:-

❁ لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا o 18/26 = وہ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا۔ رسالتمآب سلامٌ علیہ خود بھی اللہ تعالیٰ ہی کے مطیع[1] تھے۔ اور صحابہؓ کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کا حکم دیا کرتے تھے۔ نیز ہر نبی رسول کا یہی حال تھا:-

---

حاشیہ دیکھئے اگلے صفحہ پر

26/2

26.2 اللہ کے رسولؐ اپنی نہیں، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرواتے تھے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ[1] اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ 3/79

(مفہوم) اور نہیں لائق واسطے اُس بشر کے کہ اللہ اُسے اپنی کتاب دے اور (کتاب کے ساتھ) حکم (کرنے کا اختیار) دے۔ یعنی اُسے خلعتِ نبوّت عطا کرے۔ پھر وہ لوگوں کو یہ کہے کہ اللہ کے ساتھ[1] ساتھ میرے بھی بندے بنو۔ (یعنی اللہ کی اطاعت بھی کرو اور میری اطاعت بھی کرو، بلکہ (اُس کا فرض ہے کہ یہ کہے، لوگو!) رب والے بن جاؤ۔ (خالص اللہ کا حکم مانو) کیونکہ تم اللہ ہی کی کتاب کی تعلیم و تدریس کرتے ہو۔

26.3 اصل مُطَاع اللہ تعالیٰ ہے۔

فلہٰذا اللہ کے نبی رسولؐ تو لوگوں کو رب والے (یعنی خالص اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار) بنانے کے لئے مبعوث کئے جاتے تھے، اپنی اطاعت کروانے کے لئے نہیں آتے تھے...... پس مسئلہ زیرِ بحث پر جب اِس قرآنی اصول کے مطابق غور کیا

پچھلے صفحہ کا حاشیہ [1] رسول کو حکم تھا:- اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ 6/105 + وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ 10/109 = اے رسولؐ اُس کتاب کی اتباع کیجئے گا، جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے...... اور اِس حکم کی تعمیلی صورت کا اعلان خود رسولؐ کی زبان سے کرا دیا گیا ہے:- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ 6/50 + 46/9 = میں صرف اور صرف اُس (کتاب) کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔

موجودہ صفحہ کا حاشیہ [1] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا معنٰی قرآنی لُغت کے مطابق اللہ کے سِوا بھی ہے اور اللہ کے ساتھ بھی ہے۔ تفصیل، حروف کی بحث میں آگے آ رہی ہے۔

جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سِوا کوئی اور صاحب حکم ہے ہی نہیں۔ تو جملہ **اَطِیْــعُـــوا الــرَّسُوْل** کا مفہوم خود لفظِ رسول کے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر عیاں ہو جائے گا کہ رسول اللہ کا معنٰی اللہ کا پیغام پہنچانے والا ہے۔ نہ کہ اپنا کوئی حکم دینے والا۔ اور جب رسولؐ بدلائل ذیل، اللہ کا پیغام پہنچانے والے تھے:-

❁ **مَـامُـحَـمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ** 3/144 = محمد صرف اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔

❁ **مَـا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ** 5/99۔ رسول کے ذِمّہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے...... پس یہ چیز نکھر کر عیاں ہو چکی، کہ اطیعوا الرسول کا معنٰی یہ ہے کہ ہمارے پیغام کی اطاعت کرو، جو ہم نے اپنے پیغام پہنچانے والے کے ذریعہ بھیجا ہے۔ اور اِس حقیقت کے پیشِ نظر، کہ حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ 12/40 + 6/57۔ اور وہ اپنا حکم اپنے رسولوں ہی کے ذریعہ پہنچاتا ہے، خود سامنے نہیں آتا۔ تو پورے جملہ اَطِیْـعُـوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْل کا معنٰی ثابت ہوا کہ:- ''اللہ کی اطاعت کرو۔ یعنی اس کے حکم نامے کی اطاعت کرو جو اُس نے رسولِ عربی کے ذریعہ تمہاری طرف نازل فرمایا ہے''۔ پس اَطِیْـعُـوا اللّٰہَ وَاَطِیْـعُـوا الــرَّسُـوْل کی درمیانی واؤ مغائرت کی نہیں، بلکہ تفسیری ہے۔ (واؤ تفسیری کی وضاحت حروف کی بحث میں آ گے آ رہی ہے)۔

فلہٰذا جملہ زیرِ بحث میں ایک ہی اطاعت کا حکم ہے۔ الگ الگ دو اطاعتوں کا حکم نہیں۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ نے خود ہی رسولِ مقبول کو اپنے حکم میں شریک ٹھہرا کر خود ہی معاذ اللہ معاذ اللہ شرک فی الحکم کی تعلیم نہیں دی۔

مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے گا، کہ رسولؐ، یعنی پیغام بر کی اطاعت پیغام کی اطاعت ہوتی ہے۔ اُس کی ذاتی اطاعت ہرگز نہیں ہوتی۔ کیونکہ اصل مُطَاع خود اللہ تعالیٰ ہے شخصی رسول نہیں۔

شخصی رسول کی اطاعت کو قرآنِ کریم نے بِاِذْنِ اللّٰہ کی قید میں مقید کر دیا ہوا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری:-

❁ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ 4/64۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول، مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت، اللہ کے حکم نامہ اُس کی کتاب کے ذریعہ کی جائے۔ دیکھئے! اگر رسول کی شخصیّت ہی مُطَاع ہوتی تو اِذْنِ اللہ کی قید نہ لگائی جاتی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کا اِذن کیا ہے۔ جس نے رسولِ مقبول کو مُطَاع بنا دیا تھا؟۔ اِذن کا ایک معنٰی ہے قانون جس کی وضاحت عنوان 25.6 میں گزر چکی ہے۔ یہاں اللہ کا اِذن وہ الٰہی حکم نامہ قرآنِ کریم ہے جس کی آمد سے پہلے رسولؐ مُطَاع نہیں تھے اور جس کے نزول پر اُس کے ذریعہ مُطَاع ہو گئے، نیز آپ کی پیغام رسانی اِس حد تک صداقت وامانت پر مبنی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اعلانِ عام کر رکھا ہے کہ میرا رسول میرے پیغام میں ہرگز ہرگز کمی بیشی نہیں کرتا۔ میرے پیغام کے نام سے جو کچھ پیش کرتا ہے، وہ وہی کچھ ہوتا ہے جو اس کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی o اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی o 53/3-4 = وہ (ہمارا رسولؐ، ہمارے پیغام کے سلسلے میں) اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ (بلکہ جسے وحی کے نام سے پیش کرتا ہے) وہ وحی ہی ہوتی ہے، جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ سورہ نساء میں اِس عنوان کی یوں وضاحت کر دی گئی ہے، کہ جس نے رسول کی، (یعنی ہمارے رسول کے ذریعہ ہمارے بھیجے ہوئے ضابطے کی) اطاعت کی، بے شک اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی:-

❁ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ج 4/80

پھر سُن لیجئے گا! کہ رسالت یعنی پیغام کی اطاعت ہی بیک وقت اللہ کی اطاعت بھی ہوتی ہے اور پیغام لانے والے کی بھی۔ پس اِس آیتِ مجیدہ میں بھی اطاعتِ واحدہ ہی کی خبر دی گئی ہے۔ اللہ اور رسول کی الگ الگ دو اطاعتوں کی دلیل

نہیں لائی گئی۔ پس اسلام اطاعت واحدہ کا علمبردار ہے۔اور اطاعت واحدہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جو اُس کے حکم نامہ کے ذریعہ ہوگی جسے رسولؐ امین لائے اور بلا کم وکاست پہنچا دیا، اور خود بھی اسی کے مطیع وفرمانبردار رہے۔ مزید برآں قرآنِ کریم نے اللہ ورسول کے لئے ضمیر واحد لاکر بھی واضح کردیا ہے کہ جملہ ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْل'' میں قرآن اور روایات کی دو الگ الگ اطاعتوں کو حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ قرآنِ کریم کی اکلوتی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری:-

26.4 اکلوتی اطاعت

❁ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ 8/20=
ایمان والو! اللہ کی، یعنی اُس کے رسول کے لائے ہوئے حکم نامہ کی اطاعت کرو اور اس (اکلوتے حکم نامے کی) اکلوتی اطاعت سے روگردانی نہ کرنا۔ دیکھئے گا! اگر اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْل میں قرآن اور روایات کی الگ الگ دو اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہوتا تو ضمیر تثنیہ کی صورت میں ''وَلَا تَوَلَّوْا عَنْھُمَا'' آنا چاہئے تھا۔ ''وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ'' کی ضمیر واحد ڈنکے کی چوٹ اعلان کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اکیلی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖۤ اَحَدًا 18/26 کی خبر دینے کے بعد، خود ہی رسولِ مقبولؐ کو اپنے حکم میں شریک ٹھہرا کر نہ شرک فی الحکم لازم کر دیا ہے اور نہ تضاد بیانی فرمائی ہے۔

26.5 مرکزی اتھارٹی

قرآنِ کریم کی بعض آیاتِ کریمات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا جملہ اصطلاح کے طور پر اُس قرآنی نظام اور مرکزی اتھارٹی کے لئے بھی لایا گیا ہے۔ جسے رسولِ مقبولؐ نے قرآنی آئین کی بنیادوں پر قائم کیا تھا۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:-

❁ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا o 4/59

(مفہوم) ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو۔ نیز رسولؐ اور اپنے میں سے اصحابِ امر کی اطاعت کرو۔ پھر اگر اصحابِ امر کے ساتھ تمہارا کوئی تنازعہ ہو جائے۔ تو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُس تنازعے کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر لاؤ۔ یہی امر بہتر، اور انجام کی رُو سے بہت ہی اچھا ہے۔

دیکھئے! اِس آیتِ مجیدہ میں اپنے میں سے مقرّر کردہ اصحابِ امر کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے۔ اور اُن کے ساتھ اختلاف وتنازعہ کی اجازت بھی عطا فرمائی ہے۔ اور تنازعہ کی صورت میں متنازعہ امر کو اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر لانے کا حکم دیا ہے۔

اب یہاں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون اصحابِ امر ہیں، جن کے حکم یا فیصلے کو چیلنج کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ کہ ہم کھلے بندوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں تمہارا فیصلہ منظور نہیں۔ اور اُن کے حکم سے سرتابی کرنے میں ایمان پر آنچ تک نہیں آتی ......
اور دوسرا سوال یہ ہے کہ رسولؐ کی وفات کے بعد جب آپؐ موجود نہیں ہیں تو متنازعہ امر کو کس کی طرف پھیر لے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو فیصلہ دے گا اور اختلاف و تنازعہ یکسر ختم ہو جائے گا۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا o کے الفاظ میں بہتر اور انجام کی رُو سے احسن قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں:-

روایاتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ متنازعہ امر کو قرآن اور حدیث کی طرف لے جاؤ۔ لیکن مسلمانوں کی شکمی فرقہ بندی گواہ ہے کہ اہلِ روایات کے اِس تصوّر کے مطابق قرآن وحدیث نے اُمت کے چھوٹے بڑے کسی بھی متنازعہ امر کا فیصلہ نہیں دیا اور اُمت فرقوں میں بٹتی چلی گئی ہے۔ ہر فرقے کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن وحدیث اُسی کے حق میں فیصلہ دیتے ہیں۔ فلہٰذا ثابت ہوا کہ جس تصوّر نے اُمت کو متحد کرنے کی

بجائے منتشر ومختلف کر دیا ہے نہ یہ خَیْرٌ ہوسکتا ہے اور نہ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ فلہٰذا روایات کا دیا ہوا یہ تصوّر مطلقاً غلط ہے۔

26.6 اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کون ہیں؟

اب آیئے حقیقتِ حال کی طرف، آیتِ مجیدہ نے اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت کا حکم دینے کے بعد، جو اُن سے اختلاف وتنازعہ کی اجازت بھی دے دی ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ماتحت عدالتوں کے قاضی یا مجسٹریٹ ہیں، جو قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی کی طرف سے مقدّمات کی سماعت کے لئے متعیّن کیے جاتے ہیں۔ اور یہ اطاعت دینی اُمور کی نہیں، کیونکہ دین کے کسی حکم کو چیلنج کیا ہی نہیں جا سکتا۔ بلکہ یہ عوام کے معاشرتی جھگڑوں کا ذکر ہے۔ عوام اپنے تنازعات مرکز کے مقرر کردہ قاضی اور مجسٹریٹوں کے پاس لے جائیں گے۔ اب اگر اُن سے کوئی فیصلہ غلط صادر ہو جائے تو جس فرد یا جماعت کی دادرسی نہیں ہوئی۔ وہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے فیصلے کو اپیل کے ذریعہ چیلنج کرنے کا مجاز ہے۔ اِسی سلسلے میں آیتِ مجیدہ 4/59 میں حکم دیا گیا ہے کہ متنازعہ امر کو اپیل کے ذریعے (فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ) اللہ اور رسولؐ یعنی مرکزی اتھارٹی کی طرف لوٹا کر لے جاؤ، تاکہ دوبارہ غور وخوض کے بعد، آخری فیصلہ دے دیا جائے، جس کی اپیل نہیں ہو سکے گی۔ پس اللہ اور رسولؐ وہ آخری اتھارٹی ہے کہ جس کے فیصلے کی کوئی اپیل نہیں۔ جب تک رسولؐ سلامٌ علیہ خود زندہ رہے، آپؐ آخری اتھارٹی تھے۔ اور آپؐ کے بعد آپ کے جانشینؓ آخری اتھارٹی رہے، جن کے فیصلے آخری ہوتے تھے...... مقدمات کے فیصلوں کے لئے اِسی انداز کو قیامت تک کے لئے خَیْرٌ بھی کہا گیا ہے اور اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا بھی۔ لیکن یاد رہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کی پاکیزہ اصطلاح کے ماتحت وہ نظام آ سکتا ہے، جس میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا تسلیم کیا جاتا ہو۔ فیصلے قرآنی آئین کے مطابق ہوں۔ اور جہاں رشوت اور سفارش راہ نہ پا سکتی ہو...... یعنی جو نظام اللہ

کے بھیجے ہوئے، اور رسولؐ مقبول کے لائے ہوئے ضابطۂ حیاتِ قرآنِ کریم کی بنیادوں پر قائم ہوگا۔ وہ اس پاکیزہ اصطلاح کا مصداق ہوسکتا ہے۔ نہ نظامِ ملوکیّت اِس میں داخل ہوسکتا ہے، اور نہ سرمایہ دارانہ نظام، جن میں اللہ و رسولؐ کے اوّلین سبق، درسِ ربوبیّت ہی کی مخالفت موجود ہو۔ حُکّام عیش اُڑا رہے ہوں۔ اور عوام ضروریات زندگی سے محروم پائے جاتے ہوں۔

پس یہ اصطلاح ہموار ومتوازن قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی کے سِوا کسی اور نظام کے لئے ہرگز استعمال نہیں کی جاسکتی......**اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ** سے مُراد، قرآنی مرکز کی طرف سے متعیّن کردہ قاضی، مجسٹریٹ، حلقہ کے چیئرمین ہیں جو الگ الگ ایک ایک حلقہ، یونٹ یا وارڈ میں عوام کے فیصلوں کے لئے متعیّن کئے جائیں گے۔ اللہ و رسولؐ کے الفاظ، انہیں متعیّن کرنے والی مرکزی اتھارٹی کے لئے اصطلاحاً استعمال کئے گئے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں متعدّد مقامات پر اس نظام کے لئے اصطلاح کے طور پر اللہ اور رسولؐ کے الفاظ لا کر اُن کے لئے ضمیریں بھی واحد لائی گئی ہیں:-

❁ **یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ ج وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ o** 9/62

دیکھئے! یہاں اللہ اور رسولؐ کے لئے ضمیر تثنیہ نہیں، بلکہ **یُرْضُوْہُ** میں **ہُ** ضمیر واحد لائی گئی ہے۔ اور آیتِ مجیدہ کا مفہوم یہ ہے۔

ایمان والو! منافق لوگ، تمہیں راضی کرنے کے لئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ اور رسولؐ زیادہ حقدار ہے کہ اگر وہ مومن ہیں تو اُس ایک کو راضی رکھیں۔ یعنی قرآنی نظام کے وفادار رہیں۔ اب بات صاف ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے لئے ضمیر واحد آئی ہے۔ لیکن اللہ اور رسول ایک نہیں۔ اللہ، اللہ ہے اور رسولؐ، رسولؐ ہے پیغام دینے والا اور پیغام پانے والا ایک نہیں ہو سکتے۔ خالق اور مخلوق ایک نہیں ہیں۔ پس اللہ اور رسولؐ کے لئے واحد ضمیریں لا کر انہیں ایک ٹھہرانے سے صاف

ظاہر ہے کہ جملہ اللہ اور رسولؐ اصطلاح کے طور پر کسی ایسی چیز کے لئے لایا گیا ہے جو ایک ہے دو نہیں......اس کی وضاحت واحد ضمیر لا کر آیتِ ذیل میں بھی کر دی گئی ہے کہ یہ اصطلاح اُس ہموار و متوازن نظام کے لئے استعمال کی گئی ہے جو عوام کی ضروریاتِ زندگی کا ضامن ہو کر اُنہیں غمِ معاش سے بے نیاز کر دیتا ہے:-

✿ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ 9/74= اُنہیں اللہ اور رسولؐ نے اپنے فضل (بیت المال) سے غنی کر دیا۔ یعنی اُس واحد مرکزی نظام نے، جو اللہ کے رسولؐ نے اللہ کے حکم کے مطابق قائم کیا ہے، اُن کی ضروریاتِ زندگی کا ضامن بن کر اُنہیں معاشی غم وفکر سے آزاد کر دیا ہے۔

فلہٰذا ترجمہ اور تفسیر زیرِ نظر میں "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کا معنٰی ہر مقام پر سیاق وسباق کے مطابق کہیں تو اللہ تعالیٰ کے مُقدّس رسول سلامٌ علیہ کے لائے ہوئے ضابطۂ باری تعالیٰ قرآنِ کریم کی اطاعت مُراد لیا گیا ہے اور کہیں اُس ہموار و متوازن مرکزی نظام کی اطاعت، جو رسولؐ نے قرآنی خطوط کے مطابق متشکل فرمایا تھا۔ اور جو بلا تمیز اعلیٰ وادنیٰ پورے عوام کی ضروریات زندگی کا ضامن تھا۔ بالفاظِ دیگر قرآنِ کریم نے، ربوبیّتِ عامہ کی بنیادوں پر قائم کردہ اُس ہموار و متوازن نظام کے لئے "اللہ اور رسولؐ" کے جملہ کو بطور اصطلاح استعمال کیا ہے، جس میں نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ بے مکان ہو نہ بے علاج 20/118-119۔ نیز زیرِ نظر ترجمہ میں "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کے جملہ سے اللہ اور رسولؐ کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصوّر ہرگز نہیں دیا گیا۔ جس سے قرآنِ کریم میں تضاد ثابت ہوتا ہو، کہ اللہ تعالیٰ نے 6/57 اور 12/40 میں خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے سِوا کوئی واجبُ الاطاعت ہے ہی نہیں۔ اور خود ہی رسولِؐ مقبول کو اپنی اطاعت میں شریک کرنے کا مُشرکانہ حکم بھی دے رکھا ہے۔ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی.

27. ناسخ ومنسوخ

سابقہ تفاسیر وتراجم میں قرآنِ کریم کے متعلق یہ تصوّر دیا گیا ہے کہ اِس کی کچھ آیتیں منسوخ بھی ہو چکی ہیں۔حتیٰ کہ بعض کے نزدیک پانچ سو آیاتِ کریمات منسوخ ہیں۔اور بعض کے نزدیک الگ الگ تین سو، دوسو، پچاس اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک صرف پانچ منسوخ ہیں۔

لیکن یاد رہے کہ کتابِ الٰہی کی کسی ایک آیت کو بھی منسوخ تسلیم کرنے سے ناموسِ باری محفوظ نہیں رہتی۔یعنی یہ تصوّر سامنے آتا ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ بعض حکم نازل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔اور کل کو واپس لینا پڑ جائے گا۔یہ تصوّر اُس ذاتِ مقدّس کے متعلق کس طرح قابل قبول ہوسکتا ہے، جو علیمٌ بذات الصّدور ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہے۔

27.1 اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

خدائے علیم وخبیر کے کلام کی جامعیت و ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ جن احکام میں وقتی تقاضوں کی تبدیلی کا سوال پیدا ہونے والا ہوتا ہے۔ان کی وضاحت آیت متعلقہ میں ساتھ کے ساتھ کردی گئی ہے۔مثلاً:- وضو کا حکم سورہ مائدہ کی آیت نمبر 6 میں درج ہے۔لیکن اسی آیت میں وضاحت کردی گئی ہے کہ اگر ایسا وقت آجائے کہ تم سفر میں ہو اور پانی نہیں ملتا، یا اگر تم بیمار ہو، اور پانی موجود تو ہے لیکن پانی کے ساتھ وضو

کرنا وقتی حالات کے مطابق مضرصحت ہے تو تیمّم کرلیا کرو۔ اِسی طرح:-

❁ صلوٰۃ کے متعلق سورہ نساء کی آیت نمبر 103 میں حکم دیا گیا ہے کہ اسے مقررہ اوقات میں ادا کرنا فرض ہے:-

❁ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا o 4/103

لیکن یادرہے کہ صلوٰۃ کا حکم بعد میں دیا گیا ہے اور اس کے متعلق بدلتے ہوئے حالات کے وقتی تقاضوں کی وضاحت پہلے کردی ہے، اور اللہ علیم وخبیر کی شان بھی یہی ہوسکتی ہے کہ اُس کے احکام میں، وقتی تقاضوں میں سے کسی ایک کی وضاحت وصراحت کو بھی نظر انداز نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ سورہ نساء کی آیاتِ مجیدہ 102-101 میں تشریح کردی گئی ہے کہ اگر تم میدانِ جنگ میں ہو، ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی۔ صلوٰۃ باجماعت ادا کرنا اگرچہ ممکن ہے۔ لیکن اگر پورا لشکر ایک ہی مرتبہ صلوٰۃ میں کھڑا ہوجائے تو خطرہ ہے کہ دشمن یکبارگی حملہ نہ کردے۔ لہٰذا اِس وقتی تقاضے کے مطابق حکم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ کو کم کرلیا کرو:-

❁ وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ ۖ ق صلے اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ط اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا o 4/101 ...... اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ آدھی آدھی فوج باری باری کے ساتھ، اس طرح قصر صلوٰۃ ادا کرلیا کرے۔ کہ ایک گروہ سالارِ لشکر کے ساتھ باجماعت صلوٰۃ ادا کررہا ہو اور دوسرا پہرہ دے رہا ہو:-

❁ وَاِذَا کُنۡتَ فِیۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ قف فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ ص وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَةٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ 4/102= اور اے رسولؐ! جب آپ خود ان میں موجود ہوں تو امامِ صلوٰۃ کے فرائض آپ خود انجام فرمائیں۔ پس چاہئے کہ مجاہدوں کا ایک گروہ آپ کے ساتھ قیام صلوٰۃ میں کھڑا ہوجائے (اور دوسرا

گروہ پہرہ دیتا رہے) پھر جب وہ (پہلا گروہ) سجدہ (کر کے ایک رکعت پوری) کر چکے تو چاہئے کہ وہ تمہارے پیچھے (پہرہ پر) چلا جائے۔اور دوسرا گروہ آ جائے، جس نے صلٰوۃ ادا نہیں کی۔اے رسولؐ! وہ بھی آپ کے ساتھ صلٰوۃ ادا کرلے۔

یہ تو ہوا اُس وقتی تقاضے کے متعلق حکم، کہ جب ابھی لڑائی شروع نہ ہوئی ہو۔ اور جب لڑائی شروع ہو جائے تو اُس وقت کے متعلق حکم ہوتا ہے کہ اگر اُس کے دوران صلٰوۃ کا وقت آ جائے تو ہر مجاہد جس حالت میں بھی ہو، کھڑے، بیٹھے یا لیٹے الگ الگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلیا کرے:۔

❁ فَـاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ ج 4/103= پھر جب تم مذکورہ تقاضوں والی صلٰوۃ پوری کر چکو (اورلڑائی شروع ہو جائے۔تو اِس کے دوران اگر صلٰوۃ کا وقت آ جائے) تو پھر صرف اللہ کا ذکر کرلیا کرو، کھڑے بیٹھے اور لیٹے (جس پوزیشن میں بھی ہو)......اوراس کے بعد جب جنگ اورخطرۂ فتنۂ کفار ختم ہوجائے تو ایسے وقت کے لئے حکم ہوتا ہے:۔

❁ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ج 4/103 پھر جب تمہیں اطمینان ہو جائے (کہ دشمن کا خطرہ نہیں رہا) تو پورے آداب وشرائط کے ساتھ پوری نماز ادا کیا کرو۔اور اِس طرح بدلتے ہوئے حالات سے متعلقہ ہدایات دے چکنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔

❁ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا o 4/103= یہ اتنے تکلّف کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ فرضیّتِ صلٰوۃ، مقررہ اوقات کی حدود محدود میں ہے۔وقتوں کی پابندی ہر آن فرض ہے۔

❁ اِسی طرح سورہ بقر کی آیت نمبر 239 میں صلٰوۃ ہی کے وقتی تقاضوں میں سے ایک ایسے وقت کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم سفر میں ہو۔صلٰوۃ کا وقت ہے۔ لیکن اگر تم پورے قرآنی حدود و قیود کیساتھ صلٰوۃ ادا کرو، تو کسی وقتی خطرے کا خوف

لاحق ہوتا ہے، تو ایسا کیا کرو، کہ اگر سواری پر ہو تو سواری پر ہی صلوٰۃ ادا کرلیا کرو۔ اور اگر پیدل سفر کررہے ہو تو پیدل چلتے چلتے صلوٰۃ ادا کرلیا کرو:- **فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُکۡبَانًا** ج 2/239۔

دیکھا آپ نے کہ اللہ علیم وخبیر، بدلتے ہوئے حالات کے وقتی تقاضوں سے کس طرح باخبر ہے۔ اور اُس نے کس وضاحت وصراحت کے ساتھ صلوٰۃ کے متعلقہ احکام میں وقتی تقاضوں کی ایک ایک شِق کو کھول کھول کر بیان کردیا ہے۔ کہ پانی نہ ہو یا مضرِ صحت ہو تو تیمّم کرلیا کرو۔ جنگ میں ہو تو ایک ایک گروہ باری باری سے، دوسرے گروہ کے پہرے میں صلوٰۃ ادا کرلیا کرے۔ جنگ شروع ہو تو ہر مجاہد جس پوزیشن میں ہو اُسی پوزیشن میں صلوٰۃ ادا کرلے۔ سفر میں ہو اور کوئی خطرہ لاحق ہو جائے تو پیادہ پا یا سواری پر چلتے چلتے صلوٰۃ ادا کرلیا کرو۔

اب بتایئے گا کہ ایسی ذاتِ علیم وعلاّم کے متعلق، کیا ایسا تصوّر بھی کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے کبھی بھی کوئی ایسا حکم نازل فرمایا ہو جو وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکتا ہو۔ اور اُسے واپس لینا پڑ گیا ہو۔ یعنی پہلے حکم کو دوسرے حکم کے ساتھ منسوخ کرنا پڑ گیا ہو؟

27.2 تنسیخ آیات کے متعلق قرآنی فیصلہ

تنسیخ آیات کا تصوّر سورہ بقر کی آیتِ ذیل سے لیا جاتا ہے:-

۞ **مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا ط اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ** o 2/106= (مروّجہ ترجمہ)۔ جو ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اُسے بھلا دیتے ہیں، تو اُس سے بہتر یا اُس جیسی آیت لاتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِس ترجمے پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی ہی آیتوں میں سے بعض کو منسوخ کردیتا ہے تو اُن سے بہتر لانا تو بھلا ایک بات ہوئی، جو اگرچہ اللہ تعالیٰ کے

شایانِ شان نہیں کہ ایسی آیت نازل ہی کیوں فرمائی جو واپس لینی پڑی، پہلے ہی بہتر آیت کیوں نہ نازل کردی۔لیکن دوبارہ بھی پھر اُس جیسی، مِثْلِهَا نازل کرنے کا کیا فائدہ؟ اور اگر دوبارہ اُس جیسی ہی نازل کرنی تھی تو پہلی کے منسوخ کرنے کا کیا مطلب؟

برادرانِ عزیز! اللہ تعالیٰ ایسے عبث افعال کے تصوّر تک سے پاک و منزّہ ہے کہ پہلے تو کوئی ایسی آیت نازل کردے جو وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکے، اور اُسے واپس لینا پڑ جائے۔اور پھر دوبارہ نازل کرتے وقت، یا تو اُس سے بہتر آیت نازل کرے اور یا پھر اُسی جیسی نازل کردے جو پہلی کی مانند وقتی تقاضوں کے ساتھ نہ چل سکے۔

اب آیئے حقیقت حال کی طرف! واضح رہے کہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ میں اٰيَةٍ کی تنوین عوض مضاف الیہ ہے۔لیکن اس کا مضافِ الیہ اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔کہ اس کے متعلق اپنی ہی نازل کردہ آیتوں کو منسوخ کرنے کا تصوّر پیدا ہونے لگے۔اور نہ وہ دوبارہ اُنہی جیسی قابلِ منسوخ آیتیں (مِثْلِهَا) لانے کے فعل عبث کا مرتکب ہوتا رہے......لیکن ہماری اس تنقیح پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو منسوخ نہیں کرتا تو پھر کس چیز کو منسوخ کرتا ہے۔کیونکہ ''مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ'' کے الفاظ سے مطلقاً عدمِ تنسیخ کا تصوّر تو لیا ہی نہیں جا سکتا۔اِس سوال کا جواب سورہ حج کی آیتِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔دیکھئے گا ارشاد ہوتا ہے:-

۞ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ج فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ o 22/52

(مفہوم) صاحبِ قرآن! آپ سے پہلے ہم نے کوئی نبی رسول نہیں بھیجا کہ اُس کے ساتھ ایسا نہ ہوا ہو کہ جب وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتا (یعنی لوگوں کو ہمارا پیغام پہنچاتا) تو شیطان اُس کے پہنچائے ہوئے پیغاموں میں کچھ اپنی طرف سے پیش

کردیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس چیز کو منسوخ کرتا ہے جو شیطان پیش کرتا ہے۔اس کے بعد اپنی آیتوں کو محکم کردیتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ علم وحکمت ہے۔ (یعنی وہ بے علم وحکمت نہیں کہ ایسی آیتیں نازل کرے جو وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکیں اور پھر اُنہیں منسوخ کرکے واپس لینا پڑے)۔

دیکھئے گا! اِس آیتِ مجیدہ میں ایک مستقل اصول بیان کردیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو محکم کرتا ہے منسوخ نہیں کرتا۔

منسوخ اس چیز کو کرتا ہے، جو شیطان پیش کرتا ہے......فلہٰذا ثابت ہوا کہ آیتِ مجیدہ 2/106 میں **اٰيَةٍ** کی تنوین سے "**آیتُ الشَّيْطٰن**" مُراد ہے آیت اللہ مُراد نہیں۔ پس 2/106 میں جس چیز کی تنسیخ کی خبر دی گئی ہے اُسی چیز کو 22/52 میں **مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ** فرمایا ہے۔اور اپنی آیتوں کے متعلق **يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ** کی خبر دی گئی ہے۔ جس سے آیاتُ اللہ کی تنسیخ کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ الفاظ استحکامِ آیاتُ اللہ کی بیّن دلیل ہیں۔

اب ملاحظہ فرمائیں 22/52 کے مستقل اصول کی روشنی میں آیتِ مجیدہ 2/106 کا صحیح قرآنی مفہوم:-

یادرہے کہ آیتِ مجیدہ 2/106 کا ربط 2/104 کے ساتھ ہے۔اس لئے یہاں 2/104 ہی سے شروع کیا جاتا ہے۔دیکھئے ارشاد ہوا ہے:-

❁ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o** 2/104 (مفہوم) ایمان والو! تم (ہمارے رسول کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے) **رَاعِنَا** نہ کہنا۔(یہ یہودیوں کی نشانی ہے۔ 4/46) تم **اُنْظُرْنَا** کہا کرو۔اور (جب ہمارا نبی تمہاری طرف متوجہ ہوکر کلام فرمائے تو) سنا کرو۔ ہمارے حکم کا انکار کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔اب

ملاحظہ فرمایئے گا کہ سورہ نسا 4/46 میں راعنا کہنے کو یہودی شیطانوں کی نشانی (آیت) بتایا گیا ہے:-

❁ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّاۢ بِاَلْسِنَتِهِمْ o 4/46۔اور یہودیوں میں سے ایسے ہیں جو اللہ کے کلام کو اس کے اصل مقام سے بدل دیتے ہیں۔اور (ہمارے رسولؐ کو) کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بات سُنی اور انکار کر دیا۔پس آپ ہماری سُنیے دوسروں کی نہ سُنیے۔اور زبان کو پیچ دے کر کہتے ہیں رَاعِنَا (یعنی رَاعِینَا کہتے ہیں = اے ہمارے چرواہے)

اب غور فرمایئے گا! کہ باری تعالیٰ یہودی شیطانوں کی اِس نشانی **رَاعِنَا** کو منسوخ کر کے اور اسے بھول جانے کا حکم دے کر، محکمیّت میں اِس سے بہتر نشانی لائے ہیں **اُنْظُرْنَا**، کہ زبان کے پیچ سے بگاڑ کر، اس کا کوئی توہین آمیز مفہوم لیا ہی نہیں جا سکتا۔اور مفہوم کے لحاظ سے بالکل اس کی مثل و مانند ہے۔ یعنی **رَاعِنَا** اور **اُنْظُرْنَا** مترادف المفہوم الفاظ ہیں۔**رَاعِنَا** کا معنی ہے ہماری رعایت فرمائیں۔اور **اُنْظُرْنَا** کا معنی ہے ہماری طرف توجہ فرمائیں۔فلہٰذا **اُنْظُرْنَا** محکمیّت کے لحاظ سے **رَاعِنَا** سے بہتر ہے۔اور مفہوم کے لحاظ سے مثل و مانند اور مذکورہ آیتِ مجیدہ 2/104 میں اِس شیطانی نشانی کو منسوخ کرنے کے بعد 2/106 میں باری تعالیٰ نے اپنا یہ مستقل قانون پیش کر دیا ہے:-

❁ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ[1] اَوْ[2] نُنْسِهَا[3] نَاْتِ بِخَيْرٍ[4] مِّنْهَآ اَوْ[5] مِثْلِهَا[6] ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ o 2/106

---

[1] یہاں آیت بمعنی نشانی ہے۔ [2] اَوْ عاطفہ بمعنی واؤ تفسیری بمعنی یعنی ہے۔اَوْ عاطفہ کی تشریح حروف کی بحث میں آگے آرہی ہے۔ [3] بھلا دینا بمعنی ترک کروا دینا۔ [4] خَيْرٍ مِّنْهَا بمعنی محکمیّت میں اُس سے بہتر کہ زبان کے پیچ کے ساتھ راعنا کی طرح بگاڑا نہیں جا سکتا۔ [5] اَوْ عاطفہ واؤ کا فائدہ دیتی ہے بمعنی اور۔ [6] مِثْلِهَا سے مُراد ہے مفہوم میں اُس جیسی۔

(مفہوم) نہیں منسوخ کرتے ہم کسی (شیطانی) نشانی کو، یعنی ترک کروا دیتے ہیں۔تو (محکمیّت میں) اُس سے بہتر نشانی لاتے ہیں اور (مفہوم میں) اُس جیسی۔اے مخاطب! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے اور پیمانے مقرر کرنے والا ہے۔(اس کی کوئی آیت، صحیح اندازوں اور پیمانوں کے خلاف ہوتی ہی نہیں کہ اُسے نازل کرنے کے بعد پھر منسوخ کرنا پڑ جائے)۔

فلہٰذا اِس ترجمہ اور تفسیر میں ناسخ ومنسوخ کے مروّجہ روایاتی تصوّر کا گزر تک نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کی ایک ایک آیت اپنے مقام پر محکم اور چٹان کی طرح اٹل ہے۔

28. شانِ نزول

28.1 قرآنِ کریم عالمگیر ضابطۂ حیات ہے

قرآن فہمی کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں سدّ سکندری بن کر کھڑی ہوئی ہیں۔ جیسے کہ آپ سابقہ عنوان میں دیکھ چکے ہیں کہ خود قرآن کی رُو سے تو قرآن کا کوئی شوشہ تک منسوخ نہیں۔اور اُدھر اس کی پانچ سو آیاتِ کریمات کو منسوخ قرار دے رکھا ہے۔اسی طرح سابقہ تفاسیر میں ایک نظریہ چل رہا ہے **شانِ نزول** کا، کہ یہ آیت فلاں یہودی کے حق میں اتری تھی اور یہ فلاں منافق کے بارے میں۔ یہ آیت فلاں صحابی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔اور یہ اہلِ بیت کے فلاں فردِ محترم کے لئے۔اور اس طرح قرآنی احکام کی عمومیت کو، جو قیامت تک کی پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے، صرف چند افراد تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ اِس طرح شانِ نزول کا عقیدہ فہمِ قرآن کی راہ میں وہ سدِّ سکندری بنا ہوا ہے جو کسی بھی آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے

قرآنِ کریم کی طرف آنے ہی نہیں دیتا۔ اور حالت یہ ہوتی ہے کہ آیت تو لے لی قرآن سے اور شانِ نزول تفسیروں سے ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ اور پھر مزیداری یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے ایک ہی نسخہ کے ایک ہی صفحہ پر ایک ایک آیت کے کئی کئی شانِ نزول باندازِ تشکیک درج ہیں۔ یعنی یقینی بات کوئی نہ ملے گی کہ یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ مثلاً:-

28.2 شانِ نزولوں کے باہمی اختلافات

آیتِ مجیدہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِہٖٓ 39/33 کے متعلق تفسیر عزیزی، حاشیہ نسخہ قرآنِ کریم مطبوعہ ملک دین محمد اینڈ سنز کے صفحہ 737 پر لکھا ہے کہ:-

''معالم التنزیل میں ہے ''جَآءَ بِالصِّدْقِ '' ابن عباس کی روایت میں ہمارے حضور ﷺ ہیں۔ سُدی کی روایت میں جبریل۔ اسی طرح مزید لکھا ہے کہ ''وَ صَدَّقَ بِہٖ '' سُدی کے نزدیک ہمارے حضور ﷺ ہیں اور کلبی کی روایت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ''

اب غور فرمایئے گا کہ شان نزول کے پردے میں ایک ہی جنبشِ قلم کے ساتھ کتنی غیر یقینی باتیں لکھ دی گئی ہیں۔ یعنی ''جَآءَ بِالصِّدْقِ '' یا رسولؐ کے حق میں نازل ہوا یا جبریل کے حق میں۔ اور ''وَ صَدَّقَ بِہٖ '' یا تو رسولؐ کے حق میں نازل ہوا تھا اور یا صدیقؓ کے حق میں۔

28.3 حاشیہ تفسیر ثنائی

یوں تو آپ کو کوئی بھی تفسیر جو شانِ نزول کے نظریہ پر لکھی گئی ہو، ایسی نہیں ملے گی، جس میں شانِ نزول کا اختلاف موجود نہ ہو۔ لیکن ہم آپ کو دَورِ جدید کی مشہور ترین تفسیر کی سیر کراتے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب مرحوم کے مترجم قرآنِ مجید مرتبہ محمد داؤد صاحب راز مطبوعہ دہلی کے صفحہ 670 پر سورہ تحریم کی اوّلین آیت:-

۞ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ 66/1 کا پہلے نمبر پر تو، مفہوم ہی غلط اور ناموسِ رسالت کے منافی لے لیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے معاذ اللہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کی حلال فرمودہ کسی چیز کو حرام ٹھہرالیا تھا اور اس کے بعد شانِ نزول میں جو گُل کھلائے ہیں، حاشیہ کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔لکھا ہے:۔

''اِس سورت کی ابتدائی آیتوں کی شانِ نزول میں مُفسّروں کے اقوال یہ ہیں۔(۱) بعض تو کہتے ہیں کہ یہ ماریہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اُن کو رسولؐ نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔نسائی میں یہ روایت موجود ہے کہ عائشہؓ اور حفصہؓ کے کہنے سننے سے ایسا ہوا تھا۔آپ نے کفارہ دے کر اپنی قسم توڑی اور اِس لونڈی سے ملے جلے۔(۲) بالکل صحیح بات[1] یہ ہے کہ زینب بنت جحش کے گھر میں آپ شہد پیا کرتے تھے.......... اِس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی''۔

یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماریہؓ کا کیا واقعہ ہے، کہ ایک شانِ نزول کے مطابق اُنہیں رسولؐ نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا؟ اور شہد کا کیا واقعہ ہے جسے آپ نے حرام فرما دیا تھا؟...... روایات کے اِن تراشیدہ واقعات کی تفصیل مولوی ثناء اللہ صاحب کے مذکورہ بالا مترجم قرآنِ کریم کے صفحہ 671 کے حاشیے پر بالفاظ ذیل درج ہے:۔

28.4 ماریہؓ کا روایتی قصہ

''کہتے ہیں آنحضرتؐ نے اُمُّ المؤمنین حفصہؓ کے گھر میں ماریہؓ اپنے حرم

[1] یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہلِ روایات کے ہاں، جب نسائی شریف میں، جو صحاح ستہ میں داخل ہے، یہ لکھا ہے کہ یہ آیت ماریہؓ کو حرام کرنے پر اُتری تھی۔تو یہ شہد والی بالکل صحیح بات بتانے والے صاحب کون ہیں؟ کیا امام نسائیؒ سے وہ زیادہ صحیح بات پر پہنچنے والے تھے؟ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو نسائی شریف صحیح ہے، اور دوسری طرف اس کے مندرجات کو یہ کہہ کر غلط قرار دے دیا گیا ہے کہ جو بالکل صحیح بات ہے وہ نسائی شریف کے خلاف ہے۔

سے صحبت کی۔ حفصہؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میرے گھر میں میرے بستر پر آپ ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اب سے ماریہؓ میرے اُوپر حرام ہے۔ اور تو اس کا ذکر عائشہؓ سے نہ کیجیو۔ لیکن حفصہؓ نے عائشہؓ سے یہ حال کہہ دیا۔ اُن کو بہت غصہ آیا۔ یہاں تک کہ آپ نے قسم کھائی کہ اب میں ماریہؓ کے پاس کبھی نہیں جاؤں گا۔ اس وقت یہ آیت اتری''۔

یہ تو ہے آیتِ مجیدہ **يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ج تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ** 66/1 کے شانِ نزول کی تفصیل کہ، معاذ اللہ معاذ اللہ رسولؐ نے گھر میں ایک لونڈی رکھی ہوئی تھی۔ آپ کا اس کے ساتھ میاں بیوی کا تعلق تو تھا لیکن اُسے کوئی گھر نہیں دیا ہوا تھا۔ آپ نے حفصہؓ کے گھر میں اُس بے گھر بیوی کا حقِ زوجیّت ادا کیا۔ لیکن حفصہؓ ناراض ہوگئیں۔ انہیں خوش کرنے کے لئے آپ نے اُسے اپنے اوپر حرام کر دیا۔ اور حفصہؓ سے کہا۔ اِس واقعہ کا ذکر عائشہؓ سے نہ کرنا (کیوں؟) لیکن وہ باز نہ آئی۔ آپ کو غصہ آ گیا۔ اور حفصہؓ کا غصہ بیچاری بیگناہ ماریہؓ پر نکالا۔ اور قسم کھالی کہ اب ماریہؓ کے جنسی حقوق کبھی ادا نہیں کروں گا۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اے رسولؐ! تو اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے اوپر اُس چیز کو کیوں حرام کرتا ہے جسے اللہ نے تیرے لئے حلال ٹھہرایا ہے۔ اس پر رسولؐ نے قسم توڑی اور مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کیا۔ یہ پورا قِصّہ محض تراشیدہ ہے۔ آیتِ مجیدہ 66/1 کے الفاظ اس کے حامل نہیں ہیں۔

28.5 شہد کا روایتی قِصّہ

اب اِسی آیتِ مجیدہ کے دُوسرے شانِ نزول کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ اسی صفحہ پر لکھا ہے:-

''بعضوں نے کہا کہ رسولؐ نے اپنی بی بی زینبؓ کے گھر شہد پیا۔ عائشہؓ اور حفصہؓ نے صلاح کی کہ جب رسولؐ ہمارے پاس آئیں تو ہم یہ کہیں کہ آپ کے منہ

سے گوند کی بو آتی ہے۔ اور رسول ؐ کو اِس سے بڑی نفرت تھی کہ آپ کے بدن، لباس یا کپڑے سے کوئی بُری بُو آئے۔ چنانچہ جب رسول ؐ ان کے پاس آئے تو دونوں نے مل کر یہی کہا۔ آپ نے فرمایا، میں نے تو زینب ؓ کے پاس شہد پیا تھا۔ اب سے شہد کبھی نہیں پیوں گا۔ اُس وقت یہ آیت اتری۔ بعضوں نے کہا کہ بی بی اُمِ سلمہ کے پاس سفید شہد پیا تھا''۔

ایک اہم نوٹ:

حاشیہ ثنائی کہتا ہے کہ رسول ؐ نے شہد، یا تو زینب ؓ کے گھر سے پیا تھا، اور یا اُمِّ سلمہ ؓ کے گھر سے۔ لیکن بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد سوم کے صفحہ 136 پر لکھا ہے کہ آپ نے شہد حفصہ ؓ کے گھر سے پیا تھا۔

یہ ہے دُوسرے شانِ نزول کی تفصیل، کہ شہد پلانے والی کہیں زینب ؓ بتائی گئی ہے، کہیں اُمِّ سلمہ ؓ اور کہیں حفصہ ؓ (الامان والحفیظ) نیز پہلے نمبر پر تو یہ بتایا گیا ہے کہ رسول ؐ کی دو بیویوں نے ایک جھوٹ گھڑا، پھر جھوٹ پر ایک دوسری سے تعاون کیا۔ اور اس کے بعد مل کر مجوزہ جھوٹ بولا کہ یا رسول ؐ اللہ آپ کے منہ سے بُو آتی ہے۔ اِس پر رسول ؐ نے بلا تحقیق اپنے اوپر شہد حرام کر دیا۔ یہ تو ایک معمولی سطح کا آدمی بھی جانتا ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی پر سانس خارج کر کے سُونگھنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ منہ سے کس قسم کی بُو آ رہی ہے۔

اب بتائیے! کہ اِس بالکل صحیح شانِ نزول نے ناموسِ ازواجِ مطہرات ؓ کو داغدار تو کیا ہی تھا۔ خود رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کو کس سطح کا انسان ثابت کر دکھایا ہے، کہ بِلا تحقیق ایک ایسا کام کر دیا، جس سے آپ پر اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام کرنے کی سنگین دفعہ عائد ہوگئی۔ اور ذاتِ باری کو تنبیہہ کے طور پر آیت نازل کرنی پڑی کہ:۔

❁ اے نبی ؐ! یعنی ہماری طرف سے خبر پا کر لوگوں کو حلال وحرام کی تمیز دلانے والے، تجھے تو عوام کی رہنمائی کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ تو نے خود ہی اللہ کے حلال

کو کیوں حرام کر دیا ہے؟...... کیا ایسا تصوّر سیّدنا خاتم النبیّین سلامٌ علیہ کے متعلق کیا جا سکتا ہے، جن کا اقرار و اعلان اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدّس کتاب میں قیامت تک کے لئے محفوظ کر رکھا ہے:-

❁ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحٰی اِلَیَّ ۔6/50 + 10/15 + 46/9= میں تو صرف اور صرف اُسی ضابطے کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے...... رسولؐ کے اِس صحیح اور سچے اعلان کی روشنی میں:-

28.6 آیۂ تحریم کا صحیح مفہوم 28.6

اب آیۂ مجیدہ ❁ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ج تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ 66/1 کا صحیح مفہوم ملاحظہ فرمائیں...... یاد رہے کہ لِمَ تُحَرِّمُ استفہام[1] انکاری ہے اور تُحَرِّمُ فعل مضارع مستقبل کے لئے آیا ہے، حال کے لئے نہیں آیا:-

❁ اے نبیؐ! تُو ایسی چیز کو کیوں حرام کرے گا، جو اللہ نے تیرے لئے حلال ٹھہرائی ہے۔ (یعنی تُو اللہ کے حلال کو کبھی حرام نہیں ٹھہرائے گا۔ اِس سلسلے میں) تُو بیویوں کی خوشنودی کیوں چاہے گا؟ (یعنی تو بیویوں کی خوشنودی کے لئے بھی اللہ کے کسی حلال کو حرام نہیں ٹھہرائے گا)۔

دیکھا آپ نے کہ ان الفاظ میں کس طرح ناموسِ رسالت کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ لیکن جو آیتِ مجیدہ تحفّظِ ناموسِ رسولؐ کی ضامن ہے۔ شانِ نزول کے روایتی نظریہ نے اُسی آیت کی مدد سے نبی اکرمؐ کے دامنِ عصمت کو اِس

---

[1] عربی زبان کا عموماً قاعدہ ہے کہ استفہامیہ فقروں میں انکار سے اقرار اور اقرار سے انکار مقصود ہوتا ہے۔ اِسی طرح 66/1 میں جو بصورتِ استفہام ارشاد ہوا ہے کہ تو اُسے کیوں حرام کرے گا جسے اللہ نے حلال کیا ہے۔ تو یہ استفہام انکاری ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ اے نبیؐ! آپ اللہ کے حلال کو کبھی بھی حرام نہیں ٹھہرائیں گے۔

بُری طرح داغدار کر رکھا ہے، کہ قرآنی حلال وحرام کے ضامن سلامُ علیہ ہی نے اللہ کے حلال کو حرام کر دیا تھا۔ العیاذ باللہ!

28.7 شانِ نزول کا نظریہ خود شانِ باری کے بھی خلاف ہے

سابقہ تفاسیر وتراجم نے تصوّر دیا ہے کہ وضو کا حکم نازل کرنے کے بعد تیمّم کا حکم اُس وقت نازل ہوا تھا کہ جب رسولؐ اکرم معہ صحابہؓ ایک سفر میں تھے۔ قافلہ ایسے مقام پر تھا، جہاں پانی موجود نہیں تھا۔ قافلے کو روانگی کا حکم ہوا۔ چنانچہ کوچ ہونے والا تھا کہ عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا۔ ہار کی تلاش میں صلوٰۃ کا وقت تنگ ہو گیا۔ صحابہؓ نے ابوبکرؓ کو طعنے دینے شروع کئے کہ دیکھا تیری بیٹی نے کیا کیا ہے۔ صلوٰۃ کا وقت جا رہا ہے۔ پانی یہاں ہے نہیں اور اِس نے قافلہ کو روک دیا ہے۔ اِس پر ابوبکرؓ نے بیٹی کے کندھے پر کچوکے دیئے۔ اور بہت سخت سُست کہا، لیکن اُس نے اِس لئے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ رسولؐ اس کے زانو پر سر رکھ کر سوئے ہوئے تھے۔ عائشہؓ صحابہؓ رسولؐ اور والد بزرگوار کے طعنوں کو زہر کے گھونٹ کر کے پی گئیں۔ تو اُس وقت تیمّم کا حکم نازل ہوا کہ پانی نہ ہو تو تیمّم کر لیا کرو۔ (ملخص بخاری شریف قرآن محل کراچی جلد دوم صفحہ 770)

دیکھا آپ نے! یہ ہے آیۂ تیمّم کا شانِ نزول جس میں ناموسِ رسالت وصحابہؓ کو اِس طرح مجروح کیا گیا ہے کہ قافلے بھر میں صلوٰۃ کے وقت کے ضیاع کی بدولت اضطراب آیا ہوا ہے۔ اور آپ دورانِ سفر بھی زوجہ محترمہ کے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے ہیں۔ کیا رسولؐ کو صلوٰۃ کے وقت کی فکر نہیں تھی؟...... دوسرے نمبر پر اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو صحابۂ رسولؐ کو، زوجۂ رسولؐ کا اتنا بھی احترام نہیں تھا کہ ہار کا گم ہو جانا کوئی خود اختیاری امر نہیں، اور تیسرے نمبر پر خود اللہ تعالیٰ کو کیا اتنا بھی معلوم نہیں تھا کہ اُمت پر ایسے وقت بھی آئیں گے جہاں وضو کے لئے پانی موجود نہیں ہو گا۔ تیمّم کا حکم وضو کے حکم کے ساتھ ہی کیوں نہ نازل کر دیا کہ جہاں پانی نہ ملے تیمّم کر کے صلوٰۃ پڑھ لیا کرنا۔

افسوس ہے کہ روایات نے قرآنِ کریم سے پوری پوری بے اعتنائی اختیار کر

رکھی ہے۔ ورنہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آیتِ مجیدہ 5/6 میں وضو کے حکم کے عین متصل وضاحت کردی ہے:-

۞ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰٓى اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَ اَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ ط مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ 5/6= اوراگر(پانی موجود ہے،لیکن)تم بیمار ہو(اور پانی مضر پڑتا ہے)۔تم سفر میں ہو۔ یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے۔ یا بیوی سے لمس کرے اور پانی نہ پائے، تو آلائش کو پاکیزہ مٹی کے ساتھ صاف کرلیا کرو۔ اور مُنہ اور ہاتھوں سے گردغبار پونچھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی کا ارادہ ہرگز نہیں کرتا......اب دیکھئے گا! کہ قرآنِ کریم ہر مسئلے کی ضروری شقیں ساتھ کے ساتھ بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ مگر روایات ہیں کہ شانِ نزول کا شاخسانہ کھڑا کر کے یہ تصوّر دے رکھا ہے کہ جب تک کسی آیت کے نزول کیلئے اسباب پیدا نہیں ہوتے تھے، نازل نہیں ہوتی تھی۔

28.8 ایک ضروری وضاحت

شانِ نزول کے ضمن میں واضح کرنے کی یہ چیز ہے کہ قرآنِ کریم میں بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدّس رسولؐ پر بعض مسائل کی وضاحت لوگوں کے سوال کرنے سے پہلے ہی اِس طرح فرمادی تھی کہ لوگ آپ سے یہ سوال پوچھیں گے، آپ یہ جواب دیجئے گا۔ مثلاً ارشاد ہوا ہے:-

۞ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ط قُلِ الۡعَفۡوَ 2/219 =صاحبِ قرآن! لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ وہ کہاں تک اللہ کی راہ میں خرچ کرتے چلے جائیں۔ آپ فرمادیجئے گا کہ تمہیں ضرورت سے زائد ہر چیز اللہ کی راہ میں دے دینی ہوگی۔

۞ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡمَحِيۡضِ ط قُلۡ هُوَ اَذًى 2/222 =صاحبِ قرآنؐ! لوگ آپ سے عورتوں کے ماہواری کورس کے متعلق سوال کریں گے۔ آپ

فرما دیجئے گا۔ کہ وہ ایک بیماری ہے۔ اِن ایّام میں اِن سے پرہیز کرتے رہنا۔ (وغیرہ وغیرہ)

واضح رہے کہ یَسْئَلُوْنَ فعل مضارع ہے۔ جو عربی زبان میں الگ الگ حال اور استقبال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مروّجہ تراجم و تفاسیر نے اِسے حال کے لئے مختص کر کے شانِ نزول کا جواز ثابت کیا ہے کہ لوگ جب آپ سے سوال کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے سوال کو دُہرا کر جواب نازل کرتا تھا۔ بالفاظِ دیگر جب سائل سوال کرتا تھا تو معاذ اللہ معاذ اللہ آپ کے پاس کوئی جواب موجود نہیں ہوتا تھا۔ آپ وحی کا انتظار کرتے تھے۔ اور جب وحی آتی، تب جواب دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ چیز تو کسی انسان کے متعلق بھی باور نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر کسی قوم کی طرف بھیجے۔ لیکن اُس قوم کے سوالوں کا جواب اور نمائندگی سے متعلقہ ہدایات دیئے بغیر روانہ کر دے...... مگر اللہ تعالیٰ کے آخری نمائندہ رسولِ عربی کے متعلق تفاسیر میں لکھا ہے کہ لوگوں نے قِصّہٗ اصحابِ کہف کے متعلق سوال کیا لیکن رسولؐ کے پاس جواب موجود نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کل بتاؤں گا۔ خیال یہ تھا کہ جبریل آئیں گے اور پوچھ کر بتا دوں گا۔ لیکن جبریل نہ آئے اٹھارہ دِن۔ اور آپؐ معاذ اللہ معاذ اللہ! اٹھارہ دِن تک لوگوں کے سامنے ندامت اُٹھاتے رہے (دیکھئے حاشیہ موضح القرآن متعلقہ آیاتِ مجیدہ 23-18/24) اس کے برعکس اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدّس نمائندہ کی شان یہی ہوسکتی ہے کہ سوال سائل کے منہ میں ہو اور اِدھر جواب حاضر و موجود ہو...... پس اِس ٹھوس مسلّمہ کی رُو سے یَسْئَلُوْنَکَ فعل مضارع سے زمانہ حال مُراد نہیں، بلکہ زمانہ استقبال مُراد ہے۔ اور قوم کے ہر قسم کے سوالوں کے جوابات رسولؐ کو قبل از وقت ہی عطا کر دیئے گئے تھے کہ اسے رسولؐ! لوگ آپ سے یہ سوال کریں گے آپ یہ جواب دینا۔ یہ سوال کریں گے تو یہ جواب دینا۔

المختصر! شانِ نزول کے روایاتی نظریہ کے مطابق چونکہ ناموسِ باری اور

ناموسِ رسالت دونوں مجروح ہوتی ہیں اس لئے یہ نظریہ مطلقاً غیر قرآنی، غلط اور زمانۂ رسالت سے کہیں بعد کی پیداوار ہے۔

فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں روایاتی شانِ نزول کی طرف ہرگز رُخ نہیں کیا گیا، بلکہ قرآنِ کریم کے اپنے بتائے ہوئے مندرجہ بالا اصول وقواعد کے مطابق قرآن کی تفسیر خود قرآنِ کریم کے ساتھ کی گئی ہے۔

29. حُروفِ مقطّعات 29۔

29.1 کیا حُروفِ مقطّعات کا مفہوم، معاذ اللہ رسولِ کریم بھی نہیں جانتے تھے

قرآنِ کریم کی متعدّد سُوَرُ مجیدات کے ابتداء میں الٓمّٓ، الٓمّٓصٓ کی قسم کے حروف آئے ہیں۔ جن کے متعلق سابقہ تفاسیر وتراجم نے ایک تصوّر تو یہ دیا ہے:- **اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ مُرَادِہٖ**= اِس کا معنیٰ اور مفہوم اللہ کے سِوا کوئی نہیں جانتا۔ اور دوسرا تصوّر یہ ہے کہ اِن کا مفہوم اللہ اور اس کے رسولؐ ہی جانتے ہیں۔ اُنہوں نے کسی کو بھی نہیں بتایا۔ اوّل تو یہ نظریئے اس لحاظ سے بھی محلِّ نظر ہیں' کہ اگر اِن حروف کا مفہوم پوشیدہ رکھنا ہی منظور تھا تو اِن کے نازل کرنے کا کیا مقصد؟ کیا یہ صرف حُبّ کے تعویذوں پر لکھنے کے لئے نازل کئے گئے تھے؟ العیاذُ باللہ...... اِن میں سے پہلا تصوّر انتہائی خطرناک ہے، کہ کیا اِن کا مفہوم رسولِ مقبولؐ بھی نہیں جانتے تھے؟ حالانکہ یہ حروف قرآنِ کریم کا حصّہ ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے پورے قرآنِ کریم کے متعلق چار مرتبہ کے تکرار کے ساتھ اعلان فرمایا ہے:- **وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ**

مِنۡ مُّدَّکِرٍ o 17-22-32-40/54 = اور بے شک بے شک ہم نے پورے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا......
اِن آیاتِ کریمات میں القرآن کا الف لام استغراقی ہے، اور واضح کر دیا گیا ہے کہ حروفِ مقطّعات سمیت سارے کا سارا قرآنِ کریم آسان اور انسانی فہم و ادراک کے عین مطابق ہے۔

29.2 حروفِ مقطّعات کیا ہیں؟

تقطیع کا معنٰی ہے کاٹنا۔ جدا کرنا۔ لہٰذا مقطّعات اپنے الفاظ سے قطع کردہ حروف ہیں۔ جو اپنے اپنے الفاظ کے قائم مقام کے طور پر از روئے اختصار آتے ہیں۔ اختصار کا یہ طریقہ ہر زبان میں موجود ہے۔ مثلاً انگریزی میں ڈپٹی کمشنر کے لئے ڈی۔سی اور ڈویژنل آفیسر کے لئے ڈی او استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈی ڈپٹی کا۔ اور سی کمشنر کا قائم مقام ہے۔ اور اِسی طرح ڈی ڈویژنل کا اور او آفیسر کا قائم مقام ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآنِ کریم میں قطعِ حروف کی کوئی مثال موجود ہے؟ اِس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک رسولؑ کا تعارف دو ناموں اِل یاسین اور الیاس سے کرایا ہے۔ اوّل الذکران کا پُورا نام ہے اور موخر الذّکر قطع کردہ۔ قطعِ حرف کے لئے ذیل کے نقشہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

ا۔ الیاسین = الیا + سین
۲۔ الیاس = الیا + س............قطع کردہ از سِین

دیکھئے! اس نقشہ سے بالصّراحت عیاں ہو رہا ہے کہ الیاس کا س، اور الیاسین کے سین کا پہلا قطع کردہ حرف ہے۔ اربابِ عقل و دانش کے لئے قرآنِ کریم کی یہ مثال حُروفِ مقطّعات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے اپنے الفاظ کے قطع کردہ پہلے حروف ہیں، اور اپنے اپنے پورے الفاظ کے قائم مقام ہیں۔

29.3 روایاتی اور قرآنی تصوّر کا الگ الگ خاکہ

ایک طرف تو روایات یہ تصوّر دیتی ہیں کہ حروفِ مقطّعات کا مفہوم صرف اللہ، یا اللہ اور رسولؐ کے سِوا کوئی نہیں جانتا۔ اور نہ اُنہوں نے ان کا کوئی مفہوم بتایا ہی ہے۔ اور دوسری طرف الٓمّ کا یہ مفہوم بتایا بھی جاتا ہے، کہ الف سے اللہ، لام سے جبریل اور م سے محمدؐ مُراد ہے۔ کیا خوب کُلیہ اختیار کیا گیا ہے کہ دو لفظوں، اللہ اور محمدؐ کے تو پہلے حروف قطع کر لئے ہیں اور تیسرے لفظ جبریل کا آخری حرف کاٹ لیا ہے۔ اور میم مشدّدہ جو دراصل دو میم ہیں، اُن میں سے ایک میم چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ الٓمّ کا مفہوم بتاتے ہیں آلِ مُحمدؐ۔

اب آیئے حقیقت حال کی طرف! حروفِ مقطّعات کا مفہوم سمجھنے کے لئے ایک آسان ترین مقطّعہ پر غور فرمائیں:-

❁ يٰسٓ ۚ ﴿١﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣﴾ 36/1-3=

یٰسٓ میں یَا حرفِ ندا ہے اور سٓ مُنادیٰ ہے۔ اور اِنَّکَ میں کَ ضمیر واحد مذکر مخاطب آئی ہے، جو اپنے مرجع کو چاہتی ہے۔ اور یہاں دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہے کہ اِس ضمیر کا مرجع سٓ ہی ہے جسے قرآنِ کریم کی شہادت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ بلا شبہ آپ ہمارے رسولوں میں سے ایک رسولؐ ہیں...... اب بتایئے گا کہ یہ کون سی ذاتِ مقدّس ہے جنہیں نزولِ قرآن کے ساتھ شرفِ رسالت عطا ہوا تھا؟...... اب دیکھئے! اس کے جواب میں آپ کی زبان پر بے ساختہ آ رہا ہے، رسول صاحبِ نور کا نام نامی محمد رسولُ اللہ۔ پس یٰسٓ کے بعد آنے والی کَ ضمیر واحد مخاطب نے ثابت کر دیا کہ سٓ حرف مقطّعہ سیّدنا محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی کے لئے آیا ہے اور یہ آپؐ کا لقبِ گرامی ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ اے سٓ! آپ بھی ہمارے رسولوں میں سے ایک رسولؐ ہیں۔

29.4 سٓ کا مفہوم

سٓ کیا ہے اور یہ کس لفظ کا قطع کردہ حرف ہے؟......اس کا جواب اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کی الٰہی خبر کے مطابق رسولوں کی صفاتِ حمیدہ کی فہرست میں ملے گا۔ سیّدنا زکریاؑ کو، یحییٰؑ کی خوشخبری ان الفاظ میں دی گئی ہے:-

❁ اَنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحْیٰ مُصَدِّقًاۢ بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَسَیِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ o 3/39۔ اے زکریا! بلا شبہ، اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، جو قانونِ الٰہی کا مصدق سیّد متحمل مزاج، نبی اور صالحین میں سے ہوگا۔ اِس آیتِ مجیدہ میں سیّدنا یحییٰ کی پانچ صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ جن میں ایک صفت سیّد ہے۔ پس لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ 2/285 کے مطابق اللہ کے سب رسول معہ آخری رسول سیّد ہیں۔ فلہٰذا ثابت ہوا کہ یٰسٓ کا سٓ لفظ سیّد سے قطع کردہ پہلا حرف ہے اور سیّد رسولؐ کا قرآنی لقبِ گرامی ہے، جو انبیاء سلامٌ علیہم کے لئے مختص ہے۔

29.5 حروفِ مقطّعات کا قاعدہ کُلیہ

حرفِ مقطّعہ سٓ کی قرآنی بحث سے حروفِ مقطّعات کے متعلق یہ قاعدہ کلیہ نکھر کر عیاں ہو چکا کہ جملہ حروفِ مقطّعات رسولؐ کے القاب گرامی اور اپنے اپنے الفاظ سے قطع کردہ پہلے حروف ہیں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم کی 29 سورتوں کی ابتداء میں الگ الگ ذیل کے حروف مقطّعات آئے ہیں:-

الٓمّٓ . سورہ بقر۔ آل عمران، عنکبوت، روم، لقمان اور سجدہ، چھ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔

الٓمّٓصٓ. سورہ اعراف کے شروع میں اور **الٓرٰ** سورہ یونس، ہود، یوسف، ابراہیم اور حجر پانچ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں

الٓمّٓرٰ سورہ رعد کے شروع میں اور **حٰمٓ** سورہ مومن، حٰم سجدہ، زخرف،

دخان، جاثیہ اوراحقاف چھ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں۔

طٰسٓ سورہ نمل کے شروع میں۔اور طٰسٓمّٓ سورہ شعراء اور قصص کی ابتداء میں آئے ہیں۔

طٰہٰ سورہ طٰہٰ اوریٰسٓ سورہ یٰسٓ کے شروع میں، صٓ سورہ صٓ کے شروع میں اور قٓ سورہ قٓ کی ابتداء میں آیا ہے۔

نٓ سورہ قلم کے شروع میں آیا ہے، حٰمٓ عٓسٓقٓ سورہ شوریٰ کی اور کٓھٰیٰعٓصٓ سورہ مریم کی ابتداء میں آئے ہیں

جیسے کہ حرف مقطّعہ س کی بحث میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ جُملہ حُروفِ مقطّعات رسولؐ کے القابِ گرامی ہیں۔پس واضح رہے کہ انہیں ہر جگہ پر، یا تو مرجع کی حیثیّت حاصل ہے یا مامُور کی۔اور ہر مقام پر حروفِ مقطّعات کے بعد یا تو رسولؐ کے لئے کَ ضمیر حاضر مخاطب آئی ہے، جس کا مرجع حروفِ مقطّعات ہیں، اور یا آپ ہی کو مخاطب کر کے کوئی حکم دیا گیا ہے۔ذیل میں جملہ حُروفِ مقطّعات الگ الگ معہ ضمائر مخاطب پیشِ خدمت ہیں:-

❁ الٓمّٓ. سورہ بقر، یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ 2/4 کے الفاظ میں دومرتبہ تکرار کے ساتھ کَ ضمیر مخاطب میں رسول سلامٌ علیہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔اوران ضمائر کا مرجع الٓمّٓ ہے۔......سورہ آلِ عمران میں نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ 3/3......سورہ عنکبوت میں وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّکَ 29/10......سورہ سجدہ میں بَلْ ھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ 32/3......سورہ رُوم میں فَاَقِمْ وَجْھَکَ 30/30، الگ الگ کَ ضمیر مخاطب رسولؐ ہی کے لئے آئی ہے......اورسورہ لقمان میں فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ 31/7 کے الفاظ میں رسول سلامٌ علیہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے[1]۔جس سے بالوضاحت ثابت ہوا کہ الٓمّٓ

حاشیہ دیکھئے اگلے صفحہ پر

حروفِ مقطّعات نبی اکرم سلامٌ علیہ ہی کے القاب گرامی ہیں جن کے ساتھ آپ کو ان چھ سورتوں کے شروع میں مخاطب کیا گیا ہے۔

❁ الٓمّٓصٓ سورہ اعراف میں کِتٰبٌ اُنزِلَ اِلَیکَ فَلا یَکُن فِیْ صَدرِکَ 7/2 کے الفاظ میں دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ کَ ضمیر مخاطب میں رسولؐ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔اور اِن ضمائر کا مرجع الٓمّٓصٓ ہے۔

❁ الٓرٰ کے خطاب سے سورہ یونس میں قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ ...... الخ 10/15 کے الفاظ میں رسولؐ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے......سورہ ہود میں قُلْ محذُوف کیساتھ رسولؐ ہی کو حکم ہوا ہے کہ اعلان کر دیجئے گا اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ 11/2......سورہ یوسف میں نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ 12/3......اور سورہ ابراہیم 14/1 میں کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ کے الفاظ میں الگ الگ کَ، ضمیر مخاطب کے ساتھ رسولؐ ہی کو خطاب کیا گیا ہے......اور سورہ حجر 15/3 میں ذَرْهُمْ کے فعل امر کے ساتھ رسولؐ ہی کو حکم دیا گیا ہے کہ مخالفین کو چھوڑ دیجئے گا۔ فلہٰذا حروفِ مقطّعات الٓرٰ بھی رسول سلامٌ علیہ ہی کے القابِ گرامی ہیں۔جن کے ساتھ پانچ سورتوں کے شروع میں آپ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

❁ الٓمّٓرٰ کے خطاب سے سورہ رعد میں وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ 13/1 کے الفاظ میں دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ کَ ضمیر مخاطب لا

پچھلے صفحہ کا حاشیہ [1] سورہ روم میں الٓمّٓ حروفِ مقطّعات کے بعد تیسویں آیت میں کَ ضمیر مخاطب آئی ہے۔ واضح رہے کہ ضمیر کے، مرجع سے دُور واقع ہونے سے، حروف مقطّعات کی حیثیت پر کوئی مخالف اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ سورہ بقرہ اور آل عمران میں مرجع الٓمّٓ کے عین متصل ضمیر مخاطب موجود ہے:- الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ 3/3-1۔ اِس طرح باقی حروف مقطّعات کے بعد بھی اگر کہیں ضمیر مخاطب یا قُلْ کا خطاب ذرا دُور وَارد ہوا ہو تو اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ پر اُنہی مقطّعات کے عین متصل ضمیر مخاطب لا کر شک وشبہ کی گنجائش تک ختم کر دی ہوئی ہے۔

کر رسولؐ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔اور اِن ضمائر کا مرجع الٓمّٓرٰ ہے۔

❁ حٰمٓ کے خطاب سے سورہ مومن میں فَلَا یَغْرُرْکَ 40/4......سورہ دخان میں رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ 44/6......اورسورہ جاثیہ میں تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ 45/6 میں الگ الگ کَ ضمیر مخاطب کے ساتھ رسولؐ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے......سورہ احقاف میں قُلْ اَرَءَیْتُمْ ......الخ 46/4......اورسورہ حمٓ سجدہ میں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ 41/6...... اورسورہ زخرف میں لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ ......الخ 43/9 کے الفاظ میں رسولؐ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ حٰمٓ کے حروفِ مقطّعات بھی رسول سلامٌ علیہ کے القاب گرامی ہیں۔جن کے ساتھ آپ کو چھ سورتوں کے شروع میں مخاطب کیا گیا ہے۔

❁ طٰسٓ کے خطاب سے سورہ نمل میں اِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ ......الخ 27/6 کے الفاظ میں ، کَ ضمیر واحد مخاطب کے ساتھ رسولؐ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔اوراس ضمیر کا مرجع طٰسٓ ہے۔

❁ طٰسٓمّٓ کے خطاب سے سورہ شعراء،لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ 26/2 کے الفاظ میں دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ۔اورسورہ قصص 28/3 میں بھی نَتْلُوْا عَلَیْکَ کے الفاظ میں الگ الگ کَ ضمیر مخاطب کے ساتھ رسولؐ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ طٰسٓمّٓ بھی رسولؐ کے القابِ گرامی ہیں۔

❁ طٰهٰ کے خطاب سے سورہ طٰهٰ میں مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی 20/2 کے الفاظ میں کَ ضمیر مخاطب کے ساتھ رسولؐ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

❁ یٰسٓ کے خطاب سے سورہ یٰسٓ میں اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ 36/3 کے الفاظ میں رسولؐ ہی کے لئے کَ ضمیر مخاطب آئی ہے۔

❁ صٓ کے خطاب سے سورہ صٓ میں اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّکَ 38/9 کے الفاظ میں رسول سلامٌ علیہ ہی کے لئے کَ ضمیر مخاطب آئی ہے۔

❁ قٓ کے خطاب سے سورہ قٓ میں فَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ 50/39 میں فعل امر کے ساتھ رسولؐ کو مخاطب کیا گیا ہے

❁ نٓ کے خطاب سے سورہ قلم میں مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ o 68/2 کے الفاظ میں اَنْتَ اور کَ ضمائر مخاطب کے دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ رسولؐ ہی کو مخاطب کیا ہے...... صٓ، قٓ اور نٓ یک حرفہ مقطّعات ہیں۔ اِن میں حرفِ مقطّعہ قٓ کے خطاب کے بعد فَاصْبِرْ فعل امر اگرچہ ذرا دُور جا کر وارد ہوا ہے۔ لیکن اِس سے حرفِ مقطّعہ کی اصل حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ یک حرفہ مقطّعہ صٓ کے قریب کَ ضمیر مخاطب آئی ہے۔ اور نٓ حرفِ مقطّعہ کے بالکل متصل دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ رسولؐ کے لئے اَنْتَ اور کَ دو ضمائر مخاطب واقع ہوئی ہیں۔

❁ حٰمٓ o عٓسٓقٓ کے خطاب سے سورہ شوریٰ میں يُوْحِيْٓ اِلَيْکَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِکَ 42/3 کے الفاظ میں دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ رسولؐ ہی کے لئے کَ ضمیر مخاطب لائی گئی ہے۔ اور اِن ہر دو ضمائر کا مرجع حٰمٓ عٓسٓقٓ ہی ہے۔

❁ كٓهٰيٰعٓصٓ کے خطاب سے سورہ مریم میں ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّکَ 19/2 کے الفاظ میں، رسولؐ ہی کے لئے کَ ضمیر مخاطب لائی گئی ہے جس کا مرجع كٓهٰيٰعٓصٓ ہی ہے۔

30. حروفِ مقطّعات کے الگ الگ مفاہیم

یہاں تک تو صرف اِس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ قرآنِ کریم میں آمدہ حروفِ مقطّعات اپنے اپنے پُورے الفاظ سے قطع کردہ پہلے حروف ہیں۔ اور چونکہ ہر ایک کے بعد رسولؐ کے نام یا تو کسی فعل امر کے ساتھ کوئی حکم دیا گیا ہے۔ اور یا کَ ضمیر مخاطب کے ساتھ آپ کو خطاب کیا گیا ہے۔ پس یہ سب رسول سلامٌ علیہ کے وہ

القابِ گرامی ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچایا ہے۔اب رہا سوال حروفِ مقطّعات کے مطالب ومفاہیم کا:-

جواباً عرض ہے کہ جس طرح سی۔آئی۔سی کا مفہوم ملٹری ڈیپارٹمنٹ ہی بتا سکتا ہے کہ کمانڈر اِن چیف کا مخفّف ہے اور ڈی۔ایس۔پی کے مفہوم کی وضاحت محکمہ سول ہی کر سکتا ہے کہ یہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا قائم مقام ہے۔اسی طرح قرآنی حروفِ مقطّعات کا مفہوم صرف قرآنِ کریم ہی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ مضمون کے شروع میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ حرفِ مقطّعہ سٓ کا مفہوم خود قرآنِ کریم نے متعیّن کیا ہے سیّد۔

اب باقی حروفِ مقطّعات کا مفہوم آئینۂ قرآنیہ میں ملاحظہ فرمائیں...... یاد رہے کہ حروفِ مقطّعات اگرچہ 29 سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔لیکن بعض مقطّعات چونکہ بتکرار وارد ہوئے ہیں۔مثلاً الٓمّٓ چھ سورتوں کے شروع میں،الٓرٰ پانچ سورتوں،طٰسٓمّٓ دو سورتوں،اور حٰمٓ چھ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں۔اس لئے حروفِ مقطّعات کی تعداد 14 ہے۔لہٰذا بالترتیب 14 نمبروں میں اِن کے قرآنی مفاہیم،خود آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں حاضر خدمت ہیں:-

30.1 الٓمّٓ . یہ چار حروف ہیں۔الف۔لام اور میم مشدّدہ،جن کے ساتھ چھ سورتوں، بقرہ، آل عمران، عنکبوت، روم، لقمان اور سجدہ کے شروع میں رسولؐ کو مخاطب کیا گیا ہے۔الف سے امین، لاؔم سے لِیْنُ القلب، مِیْم سے مرسل اور مِیْم ثانی سے محمدؐ مُراد ہے۔یہ حروف بالترتیب مذکورہ الفاظ سے قطع کردہ پہلے حروف ہیں اور اپنے اپنے پورے لفظ کے قائم مقام ہیں،ثبوت کے لئے سطورِ ذیل بغور ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ الف سے امین مُراد ہے

قرآن کریم شاہد ہے کہ اللہ کے سب نبی رسول امین[1] تھے۔اللہ تعالیٰ نے

حاشیہ دیکھئے اگلے صفحہ پر

سورہ شعرا میں متعدّد رسولوں کو خود اُنہی کے الفاظ میں امین بتا کر قرآنِ کریم میں قیامت تک کے لئے محفوظ کر رکھا ہے:-

✿ سیّدنا نوحؑ نے قوم سے کہا:- اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ 26/107۔اور بعینہٖ یہی جملہ سیّدنا ہودؑ کی طرف سے 26/125 میں۔سیّدنا صالحؑ کی طرف سے 26/143 میں،سیّدنا لوطؑ کی طرف سے 26/162 میں،اور سیّدنا شعیبؑ کی طرف سے 26/178 میں موجود ہے۔

مندرجہ بالا قرآنی شواہد اور لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ 2/285 کے مطابق اللہ تعالیٰ کے جملہ نبی رسولؑ امین تھے،اور چونکہ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ 36/3 کے الٰہی ارشاد کے مطابق رسول سلامٌ علیہ بھی رسولوں میں سے ایک تھے۔لہٰذا آپؐ بھی امین ہیں۔اور چونکہ الٓمٓ رسولؐ کے القابِ گرامی ہیں۔فلہٰذا الٓمٓ میں الف اپنے پورے لفظ امین کا قطع کردہ پہلا حرف اور اِسی کا قائم مقام ہے۔

ب۔ لام سے لینُ القلب مُراد ہے آپؐ لینُ القلب تھے۔

اللہ کا پیغام جب اللہ کے رسول،اُس کے بندوں تک پہنچاتے،تو سرکش لوگ رُسل انبیاءؑ پر قسم قسم کی پھبتیاں کستے اور طعنے دیتے۔چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ رسول سلامٌ علیہ کو مفتری،ساحر،کاہن اور مجنون وغیرہ کے بُرے القاب سے ملقّب کر کے آپ کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔جب مخالفین مجلسِ رسول میں آتے تو اُن کا اندازِ کلام اس قدر تمسخر و تضحیک کا مرقّع ہوتا کہ اگر آپؐ متین و متحمّل مزاج نہ ہوتے تو برہم ہو

پچھلے صفحہ کا حاشیہ ۱؎ اللہ کے رسول امینِ رسالت تھے۔اللہ کے پیغام میں نہ کمی کرتے تھے نہ زیادتی۔سابقہ انبیاءؑ اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔لیکن محمدؐ کے بعد چونکہ کوئی نبی رسول آنے والا نہیں تھا۔اس لئے آپ سے اعلان کروایا گیا:- ✿ قُلۡ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا 7/158 = اے رسول! اعلان کر دیجئے گا کہ لوگو! میں تم سب (یعنی قیامت تک کی نوعِ انسانی) کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

جاتے، اور لوگ مجلس سے اُٹھ کر چلے جاتے۔ لیکن آپؐ اس قدر متحمّل مزاج اور نرم دل (لین القلب) واقع ہوئے تھے کہ آپ کو شاعر، کاہن، دیوانہ اور مفتری کی پھبتیاں برہم نہیں کرسکتی تھیں۔ اِسی چیز کی وضاحت میں آپؐ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:-

۞ فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ج وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَا نۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ 3/159 = صاحبِ قرآن! اللہ کی رحمت سے لوگوں کے لئے، آپ **لین القلب** نرم دل ہیں۔ اگر آپ **غلیظ القلب**، سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کی مجلس سے بھاگ جاتے۔ دیکھئے! یہاں آپؐ کی صفت **غلیظ القلب** کی ضد **لین القلب** بیان ہوئی ہے۔ پس حروفِ مقطّعات **الٓمٓ** میں لام اپنے پورے الفاظ لین القلب کا پہلا قطع کردہ حرف اور اِنہی کا قائمقام ہے۔

ج۔ میم سے مُراد ہے مُرسل

الٓمٓ کا میم اوّل لفظ مُرسل کا قطع کردہ پہلا حرف اور اسی کا قائمقام ہے۔ آپؐ کا مُرسل ہونا آیتِ ذیل سے ثابت ہے:- اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ 36/3۔

د۔ میم ثانی سے مُراد ہے محمدؐ ' حمد در حمد کیا ہوا

الٓمٓ کا میم ثانی لفظ محمدؐ کا پہلا قطع کردہ حرف ہے۔ محمدؐ کے معنے ہیں حمد در حمد کیا ہوا۔ بے حد تعریفوں والا۔ یہ بھی آپؐ کا لقبِ گرامی ہے جو کثرتِ استعمال کی بدولت آپ کا نام مشہور ہو چکا ہے۔ قرآنِ کریم نے آپؐ کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی احمدؐ بتایا ہے۔ سیّدنا عیسیٰ سلامٌ علیہ کے الفاظ میں مذکور فی القرآن ہے:-

۞ وَاِذۡ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ط 61/6 = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ توراۃ کی تصدیق کرنے

والا ہوں، جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے۔اور ایک رسولؐ کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمدؐ ہوگا۔

دیکھیئے! قرآنی شہادت کے مطابق آپؐ کا اِسم گرامی احمدؐ ہے۔اور محمدؐ چونکہ آپ کے القاب کی فہرست میں مذکور ہے۔اس لئے قرآنی رہنمائی کی مطابق آپؐ کا لقبِ گرامی ہے...... یاد رہے کہ اس سے ہماری غرض کوئی نئ بحث کھڑی کرنا نہیں۔ بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآنِ کریم اِس امر کی رہنمائی کرتا ہے کہ جب لفظِ محمد کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے تو اُس کے معنے اُجاگر کیئے جائیں:-

محمد بمعنی حمد در حمد اور تعریف در تعریف کیا ہوا۔

المختصر! الٓمّٓ کے الف سے مُراد ہے امین۔لاّم سے لینُ القلب۔میّم اوّل سے مُراد مُرسل اور میّم ثانی سے مُراد ہے محمد(حمد در حمد کیا ہوا)۔سَلامٌ عَلٰی الٓمّٓ

30.2 آلٓمّٓصٓ کا مفہوم

یہ پانچ حروف ہیں جو صرف سورہ اعراف کے شروع میں آئے ہیں۔ پہلے چار حروف کی وضاحت سطورِ بالا میں گزر چکی ہے۔آخری حرف صٓ، صاحب النّاس اور صاحبِ قرآن کا پہلا قطع کردہ حرف،اور اِنہی کا قائم مقام ہے۔

۞ مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ 53/2 میں کُمْ ضمیر جمع مذکر مخاطب آئی ہے۔جو زمانۂ رسالت سے لے کر قیامت تک کے مخاطبین سے خطاب کرتی چلی جائے گی۔ فلٰہذا صَاحِبُکُمْ کی قرآنی خبر کے مطابق آپؐ صاحبُ النّاس (یعنی دنیائے انسانیت کے ساتھی مونس وغمخوار) تھے۔اور پیشتر عرض کیا جا چکا ہے کہ 7/158 کے مطابق آپؐ قیامت تک کی نوعِ انسانی کے رسول تھے کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی رسول آنے والا نہیں۔اور قیامت تک کی نوعِ انسانی کے ساتھ آپ کی مذکورہ مصاحبت صرف اور صرف اُس کتابِ مقدّس کے واسطے ہی سے قائم ہے اور قائم رہے گی جو قیامت تک کے لوگوں کے پاس اپنے صحیح متن کے ساتھ پہنچنے والی ہے،یعنی قرآنِ کریم۔اس لئے

ثابت ہوا کہ آپ سلامٌ علیہ صاحبُ النّاس بھی ہیں اور صاحبِ قرآن بھی...... فلٰہذا الٓمّٓصٓ میں الف سے امین، لام سے لین القلب، میم اوّل سے مُرسل، میم ثانی سے محمدؐ اور صٓ سے صاحبِ قرآن اور صاحبُ النّاس مُراد ہے۔(سَلامٌ عَلٰی الٓمّٓصٓ)

30.3 الٓرٰ کا مفہوم

یہ تین حروف ہیں جو سورہ یونس، ہود، یوسف، ابراہیم اور حجر کی ابتداء میں آئے ہیں۔ پہلے دو حروفِ مقطّعات الف اور لام کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔ تیسرا حرف ہے رٰ ۔جو رَاکِعٌ سے علامتِ فتح سمیت قطع کردہ پہلا حرف ہے۔قرآنِ کریم میں آپؐ کے نام حکم صادر ہوا ہے:- اَقِمِ الصَّلٰوۃَ 11/114 + 17/78 ۔جس میں آپؐ کو ہمیشہ صلٰوۃ ادا کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز قرآنی شہادت کے مطابق آپ قرآنِ کریم کے سو فیصدی متبع تھے۔اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ 46/9 + 10/15 + 6/50 پس آپ سو فیصدی صلٰوۃ گزار تھے۔ اور چونکہ قیام، رکوع اور سجدہ صلٰوۃ کے رُکن ہیں۔ پس آپ قائم بھی تھے قیامِ صلٰوۃ کرنے والے۔ راکع بھی تھے رکوعِ صلٰوۃ کرنے والے اور ساجد بھی تھے سجدۂ صلٰوۃ کرنے والے۔

فلٰہذا الٓرٰ میں الف سے امین، لام سے لینُ القلب اور رٰ سے راکع مُراد ہے۔(سَلامٌ عَلٰی الٓرٰ)

30.4 الٓمّٓرٰ کا مفہوم

یہ پانچ حروف ہیں جو سورہ رعد کے شروع میں آئے ہیں۔ الف لام میم میم رٰ۔ ان پانچوں کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے:- امین۔ لین القلب، مُرسل، محمد، راکع۔(سَلامٌ عَلٰی الٓمّٓرٰ)

30.5 یٰسٓ کا مفہوم

یٰسٓ کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے کہ یا حرفِ ندا اور سٓ منادٰی ہے۔ جو سیّد کا پہلا قطع کردہ حرف ہے (سَلامٌ عَلٰی سٓ)

30.6 صٓ کا مفہوم

یہ صاحبِ قرآن کا پہلا قطع کردہ حرف ہے۔ وضاحت کے لئے دیکھئے عنوان الٓمٓصٓ۔(سَلامٌ عَلٰی صٓ)

30.7 قٓ کا مفہوم

قَـائِمٌ کا پہلا قطع کردہ حرف ہے۔قیامِ صلٰوۃ کرنے والا۔وضاحت کے لئے دیکھئے عنوان الٓرٰ۔(سَلامٌ عَلٰی قٓ)۔

30.8 نٓ کا مفہوم

سورہ قلم کے شروع میں آیا ہے۔اور نذیر کا قطع کردہ پہلا حرف ہے۔قرآنی سند کے لئے ملاحظہ ہو۔آیتِ ذیل،جس میں آپ کو قیامت تک کی نوعِ انسانی کے لئے نذیر ٹھہرایا گیا ہے:- قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَالَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ o 22/49 = اے رسولؐ! اعلان کر دیجئے گا کہ اے نوعِ انسانی میں تم سب کے لئے نذیرٌمّبین ہوں۔(سَلامٌ عَلٰی نٓ)۔

30.9 طٰهٰ کا مفہوم

یہ دو حرف ہیں طٰ اور ہٰ ، جو بالتّرتیب طَـاهِرٌ اور هَادِیٌ کے پہلے قطع کردہ حروف اور اِنہی الفاظ کے قائم مقام ہیں۔ملاحظہ ہوں قرآنی اسناد:- ۞ اِنَّـــهٗ لَقُـرْاٰنٌ كَـرِيْمٌ oۙ فِـىْ كِتٰـبٍ مَّـكْنُوْنٍ oۙ لَّا يَـمَسُّـهٗٓ اِلَّا الْـمُـطَهَّرُوْنَ ط 56/77-79= بے شک وہ ایک بلند مرتبہ قرآن ہے۔کائنات کی پُراسرار کتاب میں موجود ہے۔اِس کی طرف صرف وہی لوگ آتے ہیں جو طاہر و پاکیزہ ہیں...... اب چونکہ قرآنِ کریم کا نزول ہی آپ سلامٌ علیہ پر ہوا تھا۔لہٰذا آپؐ بدرجۂ اولیٰ طاہر واطہر ہیں......اس کے بعد آپؐ کے ہادی ہونے کی قرآنی سند ملاحظہ فرمائیں۔ارشادِ باری ہے:- اِنَّـمَآ اَنْـتَ مُـنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ 13/7 =اے رسولؐ! بے شک آپ نذیر ہیں۔اور ہر ایک قوم کے لئے ایک ہادی ہے۔نبی اکرمؐ چونکہ قُـلْ يٰٓـاَيُّهَـا

النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ کے مطابق قیامت تک کی اقوام کے لئے نذیر ہیں۔ اِس سے ثابت ہوا کہ سابقہ انبیاءؑ الگ الگ اقوام کے لئے ہادی اورنذیر تھے۔ لیکن آپ قیامت تک کے لئے ہادی اورنذیر ہیں۔ پس حروفِ مقطّعات طٰـہٰ میں طٰ سے مُرادطاہرؐ اورہٰ سے مُرادہادیؐ ہے۔(سَلَامٌ عَلٰى طٰهٰ)

30.10 طٰسٓ کامفہوم

سورہ نمل کے شروع میں آئے ہیں۔طٓ سے مُرادطاہراورسٓ سے مُرادسیّد ہے۔ ہردوحروف کی وضاحت گزرچکی ہے۔(سَلَامٌ عَلٰى طٰسٓ)

30.11 طٰسٓمٓ کامفہوم

سورہ شعراءاورقصص کے شروع میں آئے ہیں۔ان چاروں حروف طٰ ،س، میم اول اورمیم ثانی کی وضاحت گزرچکی ہے۔طٓ سے مُرادطاہرؐ ،سٓ سے مُرادسیّد،میٓم اوّل سے مُرسل اورمیٓم ثانی سے محمد مُرادہے۔حمد درحمد کیا ہوا۔(سَلَامٌ عَلٰى طٰسٓمٓ)

30.12 حٰمٓ کامفہوم

یہ دوحروف، ذیل کی چھ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں۔مومن،حٰم سجدہ، زخرف،دُخان، جاثیہ اوراحقاف۔حٰ سے مُرادحاملِ قرآن اورمیم سے مُرادمحمدؐ ہے،حمد درحمد کیا ہوا۔حاملِ قرآن کی قرآنی سندیہ ہے:-۞ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ 2/97=اے رسولؐ! بے شک جبریلؑ نے قرآنِ کریم کوآپ کے قلبِ اطہر پر نازل کیا ہے۔چونکہ آپؐ نزولِ قرآن کے متحمل ہیں۔لہٰذا آپ حاملِ قرآن ہیں۔میم کی وضاحت گزرچکی ہے۔اِس سے مُرادمُرسل بھی ہے اورمحمدبھی۔(سَلَامٌ عَلٰى حٰمٓ)

30.13 حٰمٓ عٓسٓقٓ کامفہوم

یہ پانچ حروف سُورہ شُوریٰ کی ابتداء میں آئے ہیں۔حٓ سے حامل قرآن مُرادہے۔مٓ سے محمدؐ۔حمد درحمد کیا ہوا۔عٓ سے عبداللہ۔سٓ سے سیّداورقٓ سے قائم (قیامِ صلوٰۃ کرنے والا)۔اِن حروف میں سے حٰ،م،س اورق کی وضاحت گزرچکی

ہے۔ عٓ سے عبداللہ کی قرآنی سند ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ جن میں ارشاد ہوا ہے:-

۞ وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُاللّٰہِ یَدۡعُوۡہُ 72/19=اور یہ کہ بے شک، جب عبداللہ (اللہ کا بندہ محمدؐ قیامِ صلوٰۃ میں اللہ کے حضور) کھڑا ہوتا ہے تو اُس کے حضور میں دعائیں کرتا ہے۔ لہٰذا عبداللہ بھی رسولؐ کا ایک لقبِ گرامی ہے، جس کا قطع کردہ حرف عٓ، عٓسٓقٓ میں آیا ہے۔(سَلَامٌ عَلٰی حٰمٓ عٓسٓقٓ)

30/14 کٓھٰیٰعٓصٓ کا مفہوم

یہ پانچ حروفِ مقطّعات سورہ مریم کے شروع میں آئے ہیں۔ جن میں یا سے مُراد ہے یَـامِنٌ بمعنی برکت دینے والا۔ اور باقی بالتّرتیب کریم، ہادی، عبداللہ اور صاحبِ قرآن کے پہلے قطع کردہ حروف ہیں۔ اِن میں سے ہٓ ، عٓ اور صٓ کی وضاحت گزر چکی ہے۔ کٓ کی قرآنی سند درج ذیل ہے۔ ارشادِ باری ہے:-۞ اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ o 69/40=بلا شبہ قرآنِ کریم اہلِ عالم کے سامنے قول کی صورت میں ایک رسولِ کریمؐ کی زبانِ مبارک سے پیش ہوا ہے۔ اِس آیت میں آپؐ بارشادِ الٰہی کریم کے گرامی لقب سے ملقّب کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اِن حروفِ مقطّعات میں کٓ کریم کا قطع کردہ حرف اور اِسی کا قائم مقام ہے۔(سَلَامٌ عَلٰی کٓھٰیٰعٓصٓ)

گذارش

قرآنِ کریم کے حروفِ مقطّعات، جو آپؐ کے وہ القابِ گرامی ہیں، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپؐ کو مخاطب فرمایا کرتے تھے، اِن کا قرآنی مفہوم 14 نمبروں میں ختم ہوا۔ اِن میں بعض حروف ایسے ہیں جو ایک سے زیادہ مفاہیم کے حامل ہیں۔ مثلاً قرآنِ کریم کی روشنی میں نٓ سے نذیر بھی ثابت ہے اور نبی بھی۔ عٓ سے عبداللہ بھی ثابت ہے اور عابد بھی۔ صٓ سے صادق بھی ثابت ہے اور صاحبِ قرآن اور صاحبُ الناس بھی۔ حٓ سے حامد بھی ثابت ہے اور حاملِ قرآن بھی۔ اس طرح

حروفِ مقطّعات کی وضاحت میں جن الفاظ کو قرآنی اسناد کی تائید حاصل ہو اُن کے تسلیم کرنے میں کسی راستباز کو انکار نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ نظریہ ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوسکتا کہ حروفِ مقطّعات کا مفہوم کوئی نہیں جانتا۔ حتّٰی کہ خود رسولِ مقبولؐ بھی نہیں جانتے تھے۔ جن کے یہ اپنے القابِ گرامی ہیں۔ اور یا صرف اللہ اور رسول جانتے ہیں، اُنہوں نے کسی کو نہیں بتایا۔

31. حُروف کی بحث

31۔

قرآن فہمی کے لئے جہاں یہ لازم ہے کہ ہر لفظ کے صحیح معنے لئے جائیں۔ وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ عربی ادب کی رُو سے، جن ذُومعنی حُروف کے کئی کئی معنے مسلّم ہیں۔ اُن میں سے وہ معنے لئے جائیں جو نہ سیاق وسباق کے خلاف جاتے ہوں، اور نہ قرآنی کلیہ جات وعالمی مشاہدات کی مخالفت لازم آتی ہو۔ ذیل میں چند حروف مثلاً واؤ ، اَوْ ، بَا ، فَا ، فِیْ ، مِنْ ، عَنْ ، اِلٰی ، کَلَّا ، بَلْ اور دُوْن وغیرہ کے متعدّد معنے قرآنِ کریم کی روشنی میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اِن میں سے بعض معنے سابقہ مُفسّرین ومترجمین نے لئے ہی نہیں۔ حالانکہ قرآنی لُغت نے اُن معنوں کو وضاحتاً اُجاگر کررکھا ہے۔

31.1 واؤ کے استعمالات واؤ عاطفہ۔ الفاظ کا عطف الفاظ پر اور جملے کا عطف جملے پر ہوتا ہے

ا۔ واؤ بمعنی اور۔ ایسی واؤ عاطفہ کہلاتی ہے۔ الفاظ کا عطف الفاظ پر اور جملوں کا عطف جملوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً آیتِ مجیدہ:-

❁ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ 16/3 میں لفظ ارض کا عطف لفظ سماوات پر ہے۔اور آیتِ مجیدہ:-

❁ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ o 13/40 میں جملہ عَلَیْنَا الْحِسَابُ کا عطف جملہ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ پر ہے۔

خبر کا عطف خبر پر، امر کا عطف امر پر اور مثال کا عطف مثال پر ہوتا ہے

❁ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ 7/59 = بے شک ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔

❁ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا 7/65 = اور بے شک ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہُود سلام علیہ کو بھیجا۔

❁ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا 7/73 = اور بے شک ہم نے قوم ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح سلام علیہ کو بھیجا۔

❁ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا 7/85 = اور بے شک ہم نے اہلِ مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب سلام علیہ کو بھیجا۔

دیکھئے! اِن آیاتِ کریمات میں چھ، چودہ اور چھبیس آیتوں کے وقفہ کے بعد بھی خبر کا عطف خبر ہی پر آیا ہے۔اور اوّلین معطوف علیہ 7/59 میں مذکور لَقَدْ اَرْسَلْنَا کی خبر کے الفاظ، اگرچہ 7/65، 7/73 اور 7/85 میں دُہرائے نہیں گئے۔بلکہ صرف اِلٰی عَادٍ ، اِلٰی ثَمُوْدَ اور اِلٰی مَدْیَنَ آیا ہے۔لیکن بوجہ معطوف اَرْسَلْنَا کی خبر، اِن تینوں میں بدرجۂ اتم موجود ہے......اب امر کا عطف، امر پر کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔سورہ بنی اسرائیل میں ابلیس کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے:-

❁ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُکُمْ جَزَآءً

مَّوْفُوْرًا o وَ1 اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ2 اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ3 رَجِلِكَ وَ4 شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ5 الْاَوْلَادِ وَ6 عِدْهُمْ ط وَ7 مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا o 17/64-63 ...... دیکھیے! اِن دو آیتوں میں یکے بعد دیگر سات واوٗ آئی ہیں...... پہلی، دوسری، چوتھی اور چھٹی واوٗ یکے بعد دیگر اِذْهَبْ امر پر عطف ہیں۔ تیسری اور پانچویں میں الفاظ کا عطف الفاظ پر ہے۔ اور ساتویں اظہارِ حقیقت کے لئے آئی ہے۔ آیاتِ کریمات کے مفہوم پر غور فرمائیں:-

اللہ نے کہا جا، جو کوئی تیری اتباع کرے گا تو تابع اور متبوع، تم سب کا پورا پورا بدلہ جہنّم ہو گا۔ اور تو اپنی آواز کے ساتھ جسے بہکا سکتا ہے بہکا لے۔ اور اُن پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لے۔ اور اُن کے مالوں اور اولاد میں شریک ہو جا۔ اور اُنہیں جھوٹے وعدے دیتا رہ۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان اُنہیں جو بھی وعدہ دیتا ہے وہ فریبِ محض ہے۔ (مثال کا عطف مثال پر، اِس کی متعلقہ آیاتِ مجیدہ، اوٗ عاطفہ کے تحت آ گے آ رہی ہیں)۔

2۔ واوٗ بمعنی لیکن 3۔ واوٗ بمعنی کیونکہ 4۔ واوٗ برائے اظہارِ حقیقت

، کے لئے آیتِ ذیل پر غور فرمائیں۔ اس میں تین واوٗ آئی ہیں۔ پہلی کا معنٰی ہے لیکن، دوسری کا معنٰی ہے کیونکہ اور تیسری اظہارِ حقیقت کے لئے آئی ہے:-

۞ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ1 لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ2 هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ط وَ3 كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا o 4/108 = وہ (چھپ چھپ کر تجویزیں کرنے والے منافق) لوگوں سے چھپ سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے۔ کیونکہ جب وہ رات کو چھپ کر ایسی تجویزیں کرتے ہیں، جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ اس وقت بھی وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جو بھی عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں گھیرے ہوئے ہے۔

5۔ **واوٗ بمعنی بلکہ۔** آیتِ ذیل میں تین واوٗ آئی ہیں۔ پہلی کا معنٰی ہے بلکہ۔ دوسری میں جملے کا عطف جملے پر ہے۔ اور تیسری اظہارِ حقیقت کے لئے آئی ہے:- فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَ¹ اخۡشَوۡنِ وَ² لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ وَ³ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ 5/44 = پس لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور میری آیتوں کے بدلے دنیا کا حقیر مال حاصل نہ کرنا۔ **حقیقت یہ ہے** کہ جو لوگ مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کے ساتھ حکم نہیں کرتے۔ وہی تو کافر ہیں۔

6۔ **واوٗ بمعنی جبکہ:-** ۞ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَکُنۡ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ؕ 6/101 = اللہ کا بیٹا کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ اس کی بیوی ہی کوئی نہیں۔ یہاں واوٗ حالیہ تسلیم کرنا بھی درست ہے۔ حالانکہ اس کی بیوی ہی کوئی نہیں۔

7۔ **واوٗ تفسیر بمعنی یعنی:-** تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۝ 15/1 = مذکورہ بالا آیتیں الکتاب یعنی بیان کرنے والے قرآن کی ہیں۔

8۔ **واوٗ بمعنی اس لئے:-** جب موسیٰ سلامٌ علیہ نے قومِ بنی اسرائیل کو ارضِ مقدّس کے ایک شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے جواب دیا:-

۞ قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ فِیۡہَا قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ ٭ۖ وَ اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَہَا حَتّٰی یَخۡرُجُوۡا مِنۡہَا ج 5/22 = بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسیٰ، اس شہر میں ایک طاقتور قوم ہے۔ اس لئے ہم اُس وقت تک اِس شہر میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اُس میں سے نکل نہ جائیں۔

9۔ **واوٗ بمعنی حالانکہ۔** آیتِ ذیل میں اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:-

۞ اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَ تَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ ؕ 2/44 = کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اس کے ضمن میں اپنے آپ کو بھلا

دیتے ہو۔حالانکہ تم تو توراۃ وانجیل کی تلاوت کرتے ہو(جن میں ایسا کرنے سے منع کردیا گیا ہے)۔

10۔ واوٴ بمعنی تو، پھر۔ پس (یعنی واوٴ بمعنی فا):- وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا...... 43/13-12= اور اللہ نے تمہارے لئے جہاز اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔تا کہ (اُن میں سے ہر) ایک کی پیٹھ پر سیدھے (متوازن) سوار ہوا کرو۔ پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو، جب تم اس پر بااطمینان سوار ہو جاوٴ۔تو کہا کرو پاک ہے وہ ذات،جس نے انہیں ہمارے لئے مسخّر کردیا ہے..................الخ۔

یہاں واوٴ بمعنی تو آیا ہے۔اگلی آیتوں میں دیکھئے! واوٴ بمعنی یعنی اور برائے اظہار صفت ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ کی نعمت کو یادرکھو، جو تم پر کی گئی،یعنی جو اُس نے تم پر اپنی حکمت والی کتاب نازل کی ہے۔وہ تمہیں اُس ایک ہی کتاب کے ساتھ نصیحت کرتا ہے۔پس اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچتے رہو۔ 2/231

11۔ واوٴ برائے اظہارِ صفت: آیتِ بالا میں الکتب والحکمۃ کی واوٴ سے یہ مُراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت الگ الگ دو چیزیں نازل فرمائی ہیں۔کیونکہ يَعِظُكُمْ بِهٖ میں ہٖ ضمیر واحد آئی ہے۔جس سے ثابت ہے کہ یہ ایک چیز ہے دو نہیں، اور الکتٰب والحکمۃ کی درمیانی واوٴ کا معنٰی يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ کے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے=شہادت ہے حکمت والے قرآن کی۔ پس اِس قرآنی شہادت اور يَعِظُكُمْ بِهٖ کی ضمیر واحد کی رُو سے الکتٰب والحکمۃ کا معنٰی ہے حکمت والی کتاب۔

12۔ واوٴ بمعنی بذریعہ: وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ

الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ 9/3 = اور حج اکبر کے دن لوگوں کے لئے اللہ کا اعلان ہے اس کے رسولؐ کے ذریعہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بیزار ہے۔ دیکھئے یہاں واؤ بمعنی بذریعہ آیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حجِ اکبر کو اپنا مذکورہ بالا اعلان، کہ وہ مشرکوں سے بیزار ہے، اپنے رسولؐ ہی کے ذریعہ کروایا تھا......

نیز مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُهٗ 33/12 میں بھی واؤ بمعنی کے ذریعہ آئی ہے۔ کیونکہ اللہ اپنے رسولؐ کے ذریعہ ہی وعدہ فرماتا ہے۔ خود آکر نہ کوئی وعدہ دیتا ہے نہ لیتا ہے۔

13۔ <u>واؤ بمعنی اَوْ (یا):</u> آیتِ ذیل میں واؤ بمعنی یا ہے۔ قوم بنی اسرائیل کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

❁ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَاثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ 3/112 = بنی اسرائیل پر، وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں، ذِلّت لازم کردی گئی ہے۔ سوائے اِس کے کہ وہ اللہ کے قانون کو تھام لیں یا لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین میں سے کسی قانون کا سہارا لے لیں۔

14۔ <u>واؤ استیناف۔</u> اِس واؤ کے ساتھ سابقہ مضمون سے الگ نیا مضمون شروع ہوتا ہے یعنی اس کا نہ ماقبل کے کسی لفظ پر عطف ہوتا ہے، نہ کسی جملے پر۔ صرف ماقبل عنوان کے کسی گوشے کے متعلق کچھ واضح کرنا مطلوب ہوتا ہے:-

❁ وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰهُ حُکْمًا عَرَبِیًّا ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ مَا جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ لا مَالَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَاوَاقٍ o 13/37 = اور اسی طرح ہم نے آپ پر اپنا حکم نامہ شُستہ عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ اور اگر آپ نے ہمارا علم آ جانے کے بعد لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کا اللہ کے سِوا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی اس کے عذاب سے بچانے والے ہوگا...... دیکھئے! یہاں وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ ......الخ کی واؤ کا عطف، نہ ماقبل کسی لفظ پر ہے نہ جملے پر۔ صرف مَآاَنْزَلَ اللّٰہُ کے متعلق اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر اسے چھوڑ کر رسولِ مقبول

بھی کسی کی اتباع کریں گے تو انہیں بھی چھڑانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

15۔ واوٗ برائے معیّت بمعنی نیز:- لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ط 5/17 = بے شک وہ لوگ کفر کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ مسیحؑ ابن مریم ہی اللہ ہے۔ اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ مسیح ابنِ مریم اور اس کی ماں، نیز (اُن کے ساتھ) زمین میں جو بھی جاندار ہیں، سب کو ہلاک کر دیتا۔ تو کون ہوتا جو اُس کی منشاء کے خلاف کچھ بھی اختیار رکھتا...... دیکھئے! وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ط والی واوٗ معیّت کی ہے۔ چونکہ نصاریٰ مسیح کو عین اللہ اور مریمؑ و مسیح دونوں کو شریکِ الوہیت ٹھہراتے ہیں۔ لیکن مریمؑ کو مُردہ اور مسیح کو زندہ مانتے ہیں۔ اس لئے یہاں بتایا گیا ہے کہ صرف مریمؑ ہی نہیں بلکہ دونوں ماں بیٹا فوت ہو چکے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیّت میں ہوتا تو وہ ان کے ساتھ زمین کے ہر جاندار کو ہلاک کر دیتا۔ اُسے کون روکنے والا تھا۔ لیکن یہ اُس کی مشیّت میں نہیں۔

16۔ واوٗ برائے قَسم (شہادت) کسی مقدّمہ میں جب گواہوں سے گواہی لی جاتی ہے تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ یوں ہوا تھا۔ فی الحقیقت گواہ یہ کہتا ہے کہ میں اپنے بیان پر اللہ حاضر و شاہد کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ عربی ادب میں اس کے لئے وَاللّٰهِ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ جب اللہ تعالیٰ خود کوئی شہادت پیش کرتا ہے تو اپنے پیدا کردہ اُن شاہکاروں کو، جن میں ابتدائے آفرینش سے آج تک کوئی تغیّر نہیں آیا، گواہی کے لئے پیش کرتا ہے۔ ورنہ قسمیں کھانا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ مثلاً:-

وَالشَّمْسِ – وَالْقَمَرِ – وَالَّيْلِ – وَالنَّهَارِ وغیرہ کا معنیٰ ہے، شہادت ہے سورج کی۔ شہادت ہے چاندکی۔ شہادت ہے رات کی۔ شہادت ہے

دن کی، کہ جس طرح یہ حقائقِ ثابتہ ہیں۔اُسی طرح یہاں جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے وہ بھی ایک لاریب حقیقت ہے۔

المختصر! قرآنی لُغت کے مطابق واوٗ کے متعدّد معنے قرآنِ کریم میں موجود ہیں:- 1)اور، 2)لیکن، 3) کیونکہ، 4)حقیقت یہ ہے، 5) بلکہ، 6) جبکہ، 7) یعنی، 8)اس لئے، 9) حالانکہ، 10) تو پھر، 11) برائے اظہارِ صفت، 12) بذریعہ، 13) یا، 14) استیناف، 15) معیّت اور 16) شہادت۔

اب یہ فیصلہ قارئینِ کرام پر رہا کہ اِن میں سے دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں اور چھٹے نمبر والے پانچ معنے، جن کی قرآنِ کریم نے باندازِ صریح وضاحت کر رکھی ہے۔کیا سابقہ تراجم میں کہیں یہ معنے آپ کو ملتے ہیں؟

31.2 اَوۡ کے مختلف استعمالات مثال کا عطف مثال ہی پر ہوتا ہے۔

1۔ اَوۡ بمعنی یا۔ وضو کے لئے پانی موجود نہ ہو یامُضر پڑتا ہو تو تیمّم کے حکم میں، یکے بعد دیگر تین مرتبہ اَوۡ آیا ہے۔اور تینوں کا معنٰی ہے یا:-

وَاِنۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا...... 5/6= اور اگر تم بیمار ہو اور پانی کا استعمال مُضر پڑتا ہو، یا تم مسافر ہو، یا تم میں سے کوئی قضاءِ حاجت سے آیا ہو، یا تم نے بیویوں کو ازدواجی انداز سے چھوا ہو اور پانی نہ پاؤ تو آلائش صاف کرنے کے لئے پاکیزہ مٹی کا استعمال کر لیا کرو۔

واوٗ عاطفہ کی بحث میں قرآنی مثالوں کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ الفاظ کا عطف الفاظ پر، جملوں کا جملوں پر، خبر کا خبر پر، اور امر کا امر ہی پر پڑتا ہے۔اب اَوۡ عاطفہ کی بحث میں ملاحظہ فرمائیں کہ مثال کا عطف مثال ہی پر ہوتا ہے۔

سورہ بقر، یعنی ابتدائے قرآنِ مجید میں آپؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ سلسلۂ تبلیغ میں آپ کو تین قسم کے افراد سے واسطہ پڑے گا۔ پہلے مومن، جو آپ پر اور

قرآن پر ایمان لے آئیں گے۔ وہ آپ پر جان مال سب کچھ قربان کر دیں گے۔ دوسرے کافر، یعنی مطلقاً انکار کرنے والے۔ اُن کی ساتھ مغز مارنے کی ضرورت نہیں۔ اور تیسرے منافق، جو کفر چھپا کر ایمان کا اظہار کریں گے...... اِسی سورہ بقر میں اِن تینوں گروہوں کی دو دو مثالیں لف نشر غیر مرتّب کے انداز میں اِس طرح بیان ہوئی ہیں کہ 2/19,17 میں دو مثالیں منافقوں کی، 2/259,171 میں دو مثالیں کافروں کی۔ اور 2/265,261 میں دو مثالیں مومنوں کی بیان ہوئی ہیں......منافقوں کی دو مثالیں یہ ہیں:-

۞ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ج فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ............ الخ 2/17 = اُن (منافقوں) کا حال اُس شخص جیسا ہے جو (رات کو) آگ جلائے۔ جب وہ جل اُٹھے تو اُس کا اردگرد روشن ہو جائے اور جب بُجھ جائے تو وہ پھر اندھیروں میں رہ جائے۔

دیکھئے! یہاں كَمَثَلِ میں کاف حرفِ تشبیہہ موجود ہے۔ جو کسی وقوعہ کے لئے نہیں آتا۔ بلکہ مثال کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ اس مثال پر، مثال کا عطف پھر کافِ تشبیہہ کے ساتھ اِس سے اگلی آیت 2/19 میں آیا ہے:-

۞ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ج 2/19 = یا اُن کا حال اُس شخص کے حال جیسا ہے کہ (رات کے وقت) آسمان سے بارش ہو رہی ہو، اُس میں رات، بارش اور بادلوں کے اندھیرے بھی ہوں، گرج بھی ہو اور بجلی کی چمک بھی ہو۔ تو جب بجلی چمکے تو اُن کا اِردگرد روشن ہو جائے۔ اور جب بند ہو جائے تو وہ پھر اندھیروں میں پڑے رہیں۔ یعنی منافقوں کا حال یہ ہے کہ قرآنِ کریم سُنا تو خیالات روشن ہو گئے۔ لیکن جب لوٹ کر کافروں میں گئے۔ تو پھر کفر کا اندھیرا چھا گیا۔ (اِن آیات کی تفصیل اپنے مقام پر آگے آ رہی ہے)

اس سے آگے کافروں کی دو مثالوں میں سے پہلی مثال 2/171 میں مذکور

ہے:- ❁ وَ مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کَمَثَلِ الَّذِیۡ یَنۡعِقُ بِمَا لَا یَسۡمَعُ .... الخ، اور دوسری 2/259❁ اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّعَلٰی قَرۡیَۃٍ .... الخ میں آئی ہے...... واضح رہے کہ جس طرح 2/17 اور 2/19 باہم معطوف معطوف علیہ ہیں۔ کیونکہ دونوں میں کافِ تشبیہہ موجود ہے، اور مثال کا عطف مثال پر ہے۔ اُسی طرح 2/171 اور 2/259 بھی باہم معطوف معطوف علیہ ہیں۔ دونوں میں کاف تشبیہہ موجود ہے۔ اور مثال کا عطف مثال پر ہے۔ سابقہ تراجم اور تفاسیر نے مثال پر مثال کے عطف کے قرآنی اصول کو نظر انداز کر کے آیتِ مجیدہ اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّعَلٰی قَرۡیَۃٍ 2/259 کے ساتھ سیّدنا عزیرؑ کی طرف منسوب کر کے ایک عجیب و غریب چیستانی واقعہ چسپاں کر رکھا ہے کہ آپ ایک اُجڑی ہوئی بستی سے گزرے تو کہا کہ اِسے اللہ کس طرح زندہ کرے گا۔ اللہ نے آپ کو سو سال کے لئے مار ڈالا پھر زندہ کیا وغیرہ۔ حالانکہ مَرَّ فعل ماضی پر اَلَّذِیۡ اسم موصول داخل ہوا ہے جس نے مَرَّ ماضی کو مضارع بنا دیا ہے۔ اور مفہومِ الفاظ یہ ہے کہ یا اُس شخص کی مانند کہ جو کسی برباد بستی پر سے گزرے۔ اور کہے کہ اللہ اسے کس طرح دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ اُسے مار ڈالے۔ وہ سو برس مرا پڑا رہے۔ اتنے میں بستی آباد ہو جائے۔ اللہ اُسے زندہ کرے۔ اس کا کھانا اور پانی خراب نہ ہوا ہو۔ مگر اس کے گدھے کی ہڈیاں بکھر گئی ہوں۔ اللہ اُس کے دیکھتے دیکھتے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر گدھے کو زندہ دے۔ پھر وہ کہے میں نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یاد رہے کہ اِس طرح کسی کو قیامت منوانا، اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت ہی سے خارج ہے۔ سابقہ تراجم نے اِس مثال کو واقعہ بنا کر سیّدنا عزیر سلامٌ علیہ کے ذِمّہ لگا رکھا ہے۔ حالانکہ انبیاء سلامٌ علیہم تو، لوگوں کو قیامت منوانے آتے تھے۔ اُن کا اپنا ایمان اِس قسم کا نہیں ہو سکتا۔ کہ جب تک اللہ تعالیٰ مُردہ گدھے کو ان کے دیکھتے دیکھتے زندہ کر کے نہ دکھائے، اس وقت تک وہ نہ اللہ تعالیٰ کو قادر ہی مانیں اور نہ قیامت پر ایمان لائیں۔ العیاذ باللہ!

المختصر! آیتِ مجیدہ 2/259 ' حرف عطف اَوْ سے شروع ہوتی ہے۔ اور اس میں کَــالَّـذِیْ کا کافِ تشبیہہ موجود ہے اب اَوْ عاطفہ اپنے معطوف علیہ کو چاہتا ہے۔ اوراس کا معطوف علیہ وہی ہوسکتا ہے، جس میں کافِ تشبیہہ موجود ہو۔ اور وہ ہے 2/171 میں۔ وہاں صاف صاف لفظاً مذکور ہے کہ کافروں کی مثال ایسی ہے:-مَثَــلُ الَّـذِیْنَ کَفَرُوا، اور یہاں آیت ماقبل 2/258 میں ایسے کافر بادشاہ کا ذکر ہے۔ جسے سیّدنا ابراہیم سلامٌ علیہ نے صفاتِ باری تعالیٰ کی بحث میں لاجواب کر دیا۔ لیکن وہ ایمان نہ لایا......لہٰذا 2/259 میں بتایا گیا ہے کہ ایک تو ذریعۂ ہدایت یہ ہے کہ حقیقتِ حال کو سیّدنا ابراہیمؑ کی طرح اس طرح علٰی وجہ البصیرت سمجھا دیا جائے کہ مخاطب لاجواب ہوجائے۔ اِس سے آگے مثال کے طور پر بیان ہوا ہے کہ جو کافر دلائلِ قاطعہ کے ساتھ نہ مانے، تو یا پھر ایسا ہو کہ اُسے اللہ تعالیٰ اُجڑی ہوئی بستی آباد کر کے دکھائے، مُردہ ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا مشاہدہ کرائے تو پھر وہ مانے۔ لیکن ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ کافروں کے متعلق سورہ مجیدہ کی ابتداء ہی میں کہہ دیا گیا ہے:-

❁ اِنَّ الَّـذِیْـنَ کَـفَـرُوْا سَـوَآءٌ عَـلَیْهِـمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُـؤْمِـنُـوْنَ o 2/6 = اے رسولؐ! کافروں کو آپ کا سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس سے آگے مومنوں کی دومثالوں میں سے پہلی مثال بقر 2/261 میں آئی ہے:- ❁ مَثَـلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ ......الخ= مومنوں کا حال جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ایک دانے کے حال جیسا ہے کہ ہر دانے سے سات بالیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ہر بال میں سَو سَو دانہ پیدا ہوتا ہے......غور فرمایئے گا! کہ اِس آیت میں کَمَثَلِ حَبَّةٍ میں کافِ تشبیہہ وارد ہوا ہے۔ اِس کے بعد 2/265 میں واؤ عاطفہ اور کافِ تشبیہہ ہی کے ساتھ مومنوں کی دوسری مثال اِن لفظوں میں بیان ہوئی ہے:-

۞ وَمَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثۡبِيۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبۡوَةٍ ...... الخ= اور مومن، جواللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے، اوراپنے معاشرہ کے کمزوروں کوقدموں پر کھڑا کرنے کے لئے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں، اُن کا حال ایسا ہے جیسے کہ ایک زرخیز ٹیلے پر ایک باغ ہو۔ اگر اُسے بارش میسر آجائے تو کئی گُنا پھل دے۔ اور اگر بارش نہ بھی ہو اس کے لئے شبنم بھی کافی رہے...... اب غور فرمایئے گا کہ ہر دو آیاتِ کریمات میں مثال کا عطف مثال ہی پر ہے۔

2۔ اَوۡ بمعنی بلکہ۔ 37/147 میں سیّدنا یونس سلامٌ علیہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے:- وَاَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ يَزِيۡدُوۡنَ ۝ =اورہم نے اُسے ایک لاکھ افراد بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا...... دیکھئے! اگر اِس آیت میں اَوۡ بمعنی "یا" لیا جائے تو علمِ الٰہی پر زد پڑتی ہے کہ ہم نے اُسے ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ افراد کی طرف بھیجا تھا۔ فلہٰذا ثابت ہوا کہ اَوۡ بمعنی بلکہ بھی عربی ادب میں مسلّم ہے۔

3۔ اَوۡ بمعنی حتیٰ کہ، یہاں تک کہ۔ 48/16 میں آیا ہے:-

۞ قُلۡ لِّلۡمُخَلَّفِيۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ تُقَاتِلُوۡنَهُمۡ اَوۡ يُسۡلِمُوۡنَ ج = اے رسولؐ! دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے (جو غنیمت کے طلبگار ہیں) کہہ دیجئے گا کہ تم، عنقریب ایک سخت جنگجو قوم کے ساتھ لڑنے کے لئے بلائے جاؤ گے۔ تم ان سے (ایسی سخت) جنگ کرو گے۔ یہاں تک کہ وہ تمہاری اطاعت قبول کرلیں گے...... غور فرمایئے گا کہ یہاں بھی اَوۡ بمعنی "یا" نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ یہ مفہوم بالکل بے معنی ہے کہ:- ''یا تم ان سے لڑو گے یا وہ تمہاری اطاعت قبول کرلیں گے''۔

4۔ اَوۡ برائے انقسامِ مفہوم 7/4 میں آیا ہے کہ مجرموں پر:- ۞ فَجَآءَهَا بَاۡسُنَا بَيَاتًا اَوۡ هُمۡ قَآئِلُوۡنَ ۝ ۔ ہمارا عذاب ان پر کبھی رات کے وقت

آیا۔اور کبھی دوپہر کے وقت، کہ جب وہ آرام کررہے تھے۔

5۔ اَوْ برائے نفی تام۔

76/24 میں آپ سلامٌ علیہ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے:-

۞ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ = اے رسولؐ! اپنے ربوبیّت کرنے والے کے حکم پر ثابت قدم رہیئے گا۔اور (مخالفین) بدکارو ناشکرے (جو کچھ بھی) ہیں۔اُن کی اطاعت ہرگز نہ کرنا۔

6۔ اَوْ بمعنی شک واشتباہ۔

سورہ مومنون میں آیا ہے کہ قیامت کے دِن پوچھا جائے گا کہ تم زمین میں کتنا عرصہ رہے۔اس کا جواب درج ہے:- ۞ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ 23/113 = وہ کہیں گے کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ زمین میں رہے تھے۔

7۔ اَوْ بمعنی واؤ تفسیر۔ 3/167 میں آیا ہے کہ منافقوں سے کہا گیا:-

۞ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ط = اور اُنہیں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔یعنی ملک کا دفاع کرو......غور فرمائیے گا! کہ جنگ اور دفاع ایک ہی چیز ہے۔اور یہاں اَوْ بمعنی واؤ تفسیر بمعنی یعنی آیا ہے۔جیسے کہ آیت مجیدہ کے اگلے الفاظ، منافقوں کے جواب میں بھی قتال ہی کو دفاع ٹھہرایا گیا ہے:-

۞ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ = انہوں نے کہا کہ (ہم لڑنا نہیں جانتے) اگر لڑنا جانتے تو ضرور تمہاری پیروی کرتے

31.3 ب کے مختلف استعمالات

ب کا معنیٰ عموماً ساتھ لیا جاتا ہے۔لیکن قرآنِ کریم نے ذیل کے سولہ معنے بیان کیئے ہیں:-

1۔ با برائے تعدیہ (لازم کو متعدّی بنانے کیلئے):-

❁ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ 2/17= اللہ اُن کا نور لے گیا۔(لفظی ترجمہ)

2۔ با (اظہارِ سبب کیلئے):-

❁ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ 3/11= پس اللہ نے اُنہیں اُن کے گناہوں کے سبب سے پکڑ لیا۔

3۔ با بمعنی کے ساتھ:-

❁ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ 11/48=اے نوح سلامتی کے ساتھ اُتر جا۔

4۔ با بمعنی کے پاس:-

❁ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ 25/72=جب وہ لغو کے پاس سے گزرتے ہیں۔

5۔ با بمعنی کے عوض:-

❁ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ 12/20=اور اُنہوں نے اُسے تھوڑی قیمت کے عوض بیچ دیا۔

6۔ با بمعنی کے متعلق:-

❁ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا 25/59=اس کے متعلق، صاحبِ خبر رحمان سے پُوچھ۔

7۔ با بمعنی میں سے:-

❁ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ 76/6=ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے بندے پیئیں گے۔

8۔ با بمعنی کے وقت:-

❁ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ 54/34= ہم نے اُنہیں صبح کی وقت نجات دی۔

9۔ با بمعنی کے مقام پر:-

❁ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ 3/123 = اور بے شک اللہ نے بدر کے مقام

پر تمہاری مدد فرمائی۔

10۔ با بمعنی پر، اُوپر:۔

❁ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ 4/42= کاش کہ اُن کے اُوپر زمین ہموار ہو جائے۔

11۔ با بمعنی کا:۔

❁ وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْ سِكُمْ 5/6 =اپنے سروں کا مسح کرلیا کرو۔

12۔ با بمعنی کو:۔

❁ بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْن 82/9= بلکہ تم دین کو جھٹلاتے ہو۔

13۔ با بمعنی کے بارے میں:۔

❁ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ 82/6= تجھے تیرے نعمتیں دینے والے پروردگار کے بارے میں کس نے دھوکا دے دیا ہے

14۔ با بمعنی کے ذریعہ:۔

❁ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ 16/16=اور وہ ایک مخصوص (قطبی) ستارہ کے ذریعہ راستے معلوم کرتے ہیں۔

15۔ با زائدہ:۔

❁ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ 88/22 =اے رسولؐ! آپ، لوگوں پر داروغے نہیں ہیں۔

16۔ با برائے قسم:۔

❁ فَبِعِزَّتِكَ 38/82= تیری عزّت کی قسم۔

31.4 ف کے مختلف استعمالات

ف کا معنٰی عموماً لیا جاتا ہے 'پھر'۔ لیکن قرآنی لُغت سے ذیل کے متعدّد معنے

ثابت ہوتے ہیں۔

1۔ فا بمعنی پھر۔ (برائے ترتیب وتعقیب)۔یعنی ایک کام کے بعد دوسرے کا بالترتیب انجام پذیر ہونا:۔

۞ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا 23/14= پھر ہم نطفہ کولوتھڑا بناتے ہیں۔پھر لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا، پھر گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں پیدا کرتے ہیں۔پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں......دیکھئے! یہاں فا کے ساتھ ہر کام کا یکے بعد دیگر بالترّتیب واقع ہونا بتایا گیا ہے۔لیکن یادرہے کہ فا کے لئے لازم نہیں کہ ترتیب وتعقیب ہی کے لئے ہو۔نیز ترتیب وتعقیب کی صورت میں ہر کام کے بعد دوسرے کام کا درمیانی وقفہ ہر مقام پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وُہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کائناتی قوانین میں خود مقرر کر رکھا ہے۔قوانینِ کائنات کی مخالفت کبھی نہیں ہوگی۔

2۔ فا برائے توضیح بمعنی سو:۔۞ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ o 7/4 =اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا۔سو ہمارا عذاب اُن پر رات کے وقت آیا، یا جب وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے۔ دیکھئے! یہاں فا کے ساتھ بستیوں کی ہلاکت کے وقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ ہمارا عذاب کسی پر رات کو آیا۔اور کسی پر دوپہر کو آیا۔

3۔ فا بمعنی تو (اگر اِنْ شرطیہ کے بعد آئے):۔ ۞ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ 3/31 = کہہ دیجئے گا! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

4۔ فا بمعنی ورنہ:۔ ۞ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِىْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o 7/73 =(صالحؑ نے قوم سے کہا) یہ اللہ کی اونٹنی،تمہارے لئے (ربوبیّتِ عامہ کی رُو سے اللہ کی) ایک

نشانی ہے۔ پس اِسے چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین میں سے کھائے۔ اور اِسے ضرر نہ پہنچانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا۔

5۔ فا بمعنی اس طرح:- ۞ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ 28/15= پس اُس (موسیٰؑ) نے اُسے مُکّا مارا۔ اس طرح اس کا کام تمام کر دیا۔

6۔ فا بمعنی لیکن:- ۞ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا 7/175= اور اے رسولؐ! آپ ان پر اُس شخص کی خبر پڑھیئے۔ جسے ہم نے (اپنی کتاب کے ذریعہ) اپنی آیتیں عطا فرمائیں۔ لیکن وہ ان کی حدود سے نکل گیا۔

7۔ فا برائے اظہارِ حقیقت:- غیر اللہ کو مددگار ٹھہرانے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:- ۞ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ٥ 4/139= کیا وہ غیر اللہ سے غلبہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ غلبہ سارے کا سارا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

8۔ فا زائدہ:- ۞ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ ٥ 39/66= بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر۔ یہاں فَا زائدہ ہے کیونکہ فا کے بغیر بھی یہی معنے بنتے ہیں۔

31.5 س کے مختلف استعمالات

1۔ س برائے مستقبل قریب:-

س حرف تہجّی ہے۔ جس کا عمومی فائدہ یہ ہے کہ جب یہ مضارع پر داخل ہو تو اُسے زمانہ مستقبل کے لئے مختص کر دیتا ہے۔ مثلاً:-

۞ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ ...... فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ 10/31= اے رسولؐ! آپ اِن سے پوچھیئے گا کہ تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ ...... اِس کے جواب میں وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ...... دیکھیئے گا! اس مثال میں يَقُوْلُوْنَ فعل مضارع پر سؔ داخل ہوا ہے جس

سے فعل مضارع نے مستقبل کا فائدہ دیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ سؔ داخل ہونے سے فعلِ مضارع ضروری ہی مستقبل کے لئے مختص ہو جاتا ہو۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں ایسی متعدّد مثالیں موجود ہیں کہ سؔ داخل ہونے سے مستقبل کا معنیٰ لینا غلط ہے۔ مثلاً:-

2۔ سؔ برائے تاکید

۞ فَسَيَكۡفِيكَهُمُ ٱللَّهُ 2/137 کا یہ مفہوم ہرگز صحیح نہیں ہے کہ ''تیرے لئے تیرے مخالفوں کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ زمانہ حال میں کافی نہیں مستقبل میں کافی ہو گا۔'' بلکہ صحیح مفہوم یہ ہے کہ ''تیرے لئے تیرے مخالفوں کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ ضرور ضرور کافی ہے''......دیکھئے! یہاں زمانہ حال کا معنیٰ لینا ہی درست ہے۔ نیز یاد رہے کہ حال میں استقبال از خود آ جاتا ہے۔ کیونکہ آج کا مستقبل کل کو حال بن کر آتا ہے۔ اور فَسَيَكۡفِيكَهُمُ ٱللَّهُ کے مطابق کفایتِ باری تعالیٰ کے دوام کی دلیل بن کر آتا ہے۔ اِس کے برعکس استقبال میں حال داخل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اگر آیتِ بالا 2/137 کا یہ معنیٰ لیا جائے کہ اللہ کافی ہے نہیں، کافی ہوگا تو کفایت الٰہی مجروح ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں مستقبل کا معنیٰ لینا غلط ہے۔ فلہٰذا ثابت ہوا کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ مضارع پر سؔ داخل ہو تو ضرور ہی اُسے مستقبل کے لئے مختص کر دیتا ہے۔ بلکہ ثابت ہوا کہ مضارع پر سؔ داخل ہو تو بعض اوقات حال کے معنوں میں تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ اِسی عنوان کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:-

۞ سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰٓ 87/6۔ دیکھئے یہاں نُقۡرِءُ فعل مضارع پر سؔ داخل ہوا ہے۔ اگر اِسے مستقبل کے لئے مختص کر دیا جائے تو یہ مفہوم سامنے آتا ہے ''ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ بھولیں گے نہیں''۔ یہ مفہوم مشاہدے کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس وقت آپ کو سَنُقۡرِئُكَ کہا گیا تھا اُس وقت تعلیم قرآنی دی جا رہی تھی۔ ہنوز دی جانے والی نہیں تھی۔ پس اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ یقیناً

یقیناً ہم آپ کو پڑھاتے ہیں پھر آپ ہرگز بھولتے نہیں''۔

پس سَ کے مضارع پر داخلہ کے خواص قرآنِ کریم کی رُو سے یہ ہیں:- ❁ کبھی فعل مضارع کو مستقبل کا فائدہ دیتا ہے اور کبھی حال کے معنوں میں تاکید پیدا کرتا ہے یعنی یقیناً ایسا ہے یا ایسا ہوتا ہے۔

31.6 فی کے مختلف استعمالات

فی حرفِ جار کا عموماً معنٰی لیا جاتا ہے میں۔ لیکن قرآنی لُغت سے ذیل کے متعدّد معنے ثابت ہیں:-

1۔ فی بمعنی میں:-

❁ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ 4/131=اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔

2۔ فی برائے اظہارِ سبب:-

❁ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ 12/32=اُس عورت (زَنِ عزیز) نے (زنانِ مصر سے مخاطب ہو کر سیّدنا یوسف کی طرف اشارہ کر کے) کہا، یہ ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔

3۔ فی بمعنی کے مقابلے پر:-

❁ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ 9/38=آخرت کی کامیابی کے مقابلے پر دنیا کا مال ہیچ ہے۔

4۔ فی بمعنی کے لئے:-

❁ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط 2/234=پھر جب بیوہ عورتوں کی عدت پوری ہو جائے تو تمہارے لئے اُس کام میں کوئی ہرج نہیں جو وہ اپنی جانوں کے لئے بطریق معروف کریں (یعنی نکاح ثانی کرلیں)۔

5۔ فی بمعنی کے ذریعہ:-

❁ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ 5/91 = بلاشبہ شیطان (ضابطۂ باری تعالیٰ کا منکر) ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے درمیان خمر ومیسر کے ذریعہ عداوت اور بغض پیدا کردے۔

31.7 مِنْ کے مختلف استعمالات

عموماً مِن بمعنی سے لیا جاتا ہے۔لیکن قرآنِ کریم سے ذیل کے متعدّد معنے ثابت ہیں:-

1۔ مِنْ ابتدائیہ بمعنی سے:-

❁ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا 17/1 = مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

2۔ مِنْ بیانیہ برائے استغراق:-

❁ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ 22/30 = سب کے سب بتوں کی نجاست سے بچتے رہو۔

3۔ مِنْ بعضیہ:-

❁ وَمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ 40/79 = اور چارپایوں میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

4۔ مِنْ بمعنی کی طرف سے:-

❁ اِنِّیْ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیْمٌ o اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ 27/29-30 = بے شک میری طرف ایک معزز چٹھی بھیجی گئی ہے۔بلاشبہ وہ سلیمان کی طرف سے ہے۔

5۔ مِنْ بمعنی کی وجہ سے:-

❁ مِمَّا خَطِیْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا 71/25 = وہ اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق

کیئے گئے۔

6۔ مِنْ بمعنی کی بجائے:۔

❁ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ 9/38= کیا تم آخرت (کی کامیابی) کی بجائے، دنیا (کے مال) پر راضی ہوگئے ہو؟

7۔ مِنْ بمعنی میں سے:۔

❁ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍo15/26= اور بے شک ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے بدبودار گارے میں سے پیدا کیا۔

8۔ مِنْ بمعنی کے ساتھ:۔

❁ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ 42/45= وہ کنکھیوں کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

9۔ مِنْ بمعنی کے مقابلے پر:۔

❁ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا 21/77=اور ہم نے اُس کی اُس قوم کے مقابلے پر مدد کی جس نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

10۔ مِنْ بمعنی کے ہاں:۔

❁ لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا 58/17۔اللہ کے ہاں اُن کے مال اور اولاد کسی کام نہیں آئیں گے۔

11۔ مِنْ بمعنی کے:۔

❁ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ 62/9= جب وقت کے ذریعے صلوٰۃ کے لئے ندا دی جائے جمعہ کے دِن۔

12۔ مِنْ برائے تمیز:۔

❁ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ 2/220= اور اللہ اُس مفسد کو جانتا ہے جو مصلح کے لبادے میں فساد کرتا ہے۔

13۔ مِنْ بمعنی کے بدلے:-

❁ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ 5/36= بے شک اگر منکرینِ ضابطۂ باری تعالیٰ کے پاس زمین بھر کی پوری دولت ہو اور اُتنی ہی اور بھی ہو۔اس لئے کہ وہ قیامت کے عذاب کے بدلے فدیہ دیں تو اُن سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔

14۔ مِنْ بمعنی کوئی بھی:-

❁ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا 6/59=نہیں گرتا کوئی بھی پتّا،مگر اللہ اُسے جانتا ہے۔

❁ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ 3/62=اورنہیں ہے کوئی بھی الٰہ سوائے اللہ کے۔

15۔ مِنْ زائدہ اور مِمَّا بمعنی اس لئے کہ:-

❁ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ج 5/83=اور جب وہ (قرآن) سنتے ہیں جو رسولؐ کی طرف نازل ہوا ہے۔تو تُو دیکھتا ہے ان کی آنکھوں کو، کہ آنسو بہاتی ہیں۔اس لئے کہ وہ حق کو پہنچاتے ہیں۔

31.8 عَنْ کے مختلف استعمالات

عن حرفِ جار کا معنٰی عموماً لیا جاتا ہے سے لیکن قرآنِ کریم میں ذیل کے متعدّد معنوں میں استعمال ہوا ہے:-

1۔ عَنْ بمعنی سے:-

❁ مَا کَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ 9/120 =مدینہ والوں اور آس پاس کے دیہات والوں کو یہ لائق نہیں تھا کہ وہ اللہ کے رسول سے پیچھے رہ جائیں۔

2۔ عَنْ بمعنی پر:-

❁ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ 9/100 = اللہ اُن پر راضی ہوگیا اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے۔

3۔ عَنْ بمعنی کا۔کے۔کی:-

❁ وَھُوَالَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ 42/25 = اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

4۔ عَنْ برائے الٹے معنے:-

❁ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِھَتِیْ یٰٓاِبْرٰھِیْمُ 19/46 = اے ابراہیمؑ! کیا تو میرے معبودوں کے ساتھ رغبت رکھنے والا نہیں ہے۔

5۔ عَنْ بمعنی کے بعد:-

❁ لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ 84/19 = تم ایک طبقہ کے بعد دوسرے طبقہ پر ضرور چڑھو گے۔

6۔ عَنْ بمعنی میں آ کر:-

❁ وَمَا نَحْنُ بِتَارِکِیْٓ اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِکَ 11/53 = اور ہم تیری باتوں میں آ کر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں۔

7۔ عَنْ بمعنی کے مطابق:-

❁ وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاھِیْمَ لِاَبِیْہِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَۃٍ وَّعَدَھَآ اِیَّاہُ 9/114 = اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا ایک وعدہ کے مطابق تھا جو اس کے ساتھ انہوں نے کیا۔

8۔ عَنْ بمعنی کے ساتھ:-

❁ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی 53/3 = اور وہ اپنی خواہش کے ساتھ نہیں بولتا۔

31.9 عَلٰی کے مختلف استعمالات:-

حرفِ جارعلیٰ کا معنیٰ عام طور پر لیا جاتا ہے پر۔لیکن قرآنِ کریم میں ذیل کے متعدّد معنوں میں استعمال ہوا ہے:-

1۔ عَلٰی بمعنی پر:-

❁ وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ 23/22=اورتم کشتیوں پر سوار کیئے جاتے ہو۔

2۔ عَلٰی بمعنی سے:-

❁ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ 83/2=جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں۔

3۔ عَلٰی بمعنی میں:-

❁ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ 2/185=اورجوکوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو۔

4۔ عَلٰی بمعنی کے مطابق:-

❁ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ 2/185=تا کہ تم اللہ کی ہدایت کے مطابق اُس کی بڑائی کا اظہار کرو۔

5۔ عَلٰی بمعنی کے باوجود:-

❁ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ 2/177=اور مال کی محبت کے باوجود حاجتمندوں کو مال دیتا ہے۔

6۔ عَلٰی بمعنی کے متعلق:-

❁ اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ 7/105=یہ کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سِوا کچھ نہ کہوں۔

7۔ عَلٰی بمعنی تک:-

❁ ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْم'' o 15/41 = یہ سیدھا راستہ مجھ تک پہنچتا ہے۔

8۔ عَلٰی بمعنی کے سامنے:-

❁ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ 20/39 = اور تاکہ تیری پرورش میری نگاہ کے سامنے کی جائے۔

9۔ عَلٰی بمعنی کے ذریعہ:-

❁ مَاوَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ 3/194 = تونے ہمارے ساتھ جو اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ کیا تھا۔

10۔ عَلٰی بمعنی فرض ہے:-

❁ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ 3/20 = پس اے رسولؐ! سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ آپ پر ہمارا پیغام پہنچانا فرض ہے

11۔ عَلٰی بمعنی کے پاس:-

❁ اَوْ اَجِدُ عَلٰی النَّارِ ھُدًی 20/10 = یا میں آگ کے پاس کوئی رہبر پاؤں۔

12۔ عَلٰی بمعنی کے مقابلے پر:-

❁ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ 61/14 = پس ہم نے اُن کے دشمنوں کے مقابلے پر مومنوں کی مدد فرمائی۔

31.10 اِلٰی کے مختلف استعمالات:-

اِلیٰ حرفِ جار قرآنِ کریم میں ذیل کے متعدّد و مختلف معنوں میں آیا ہے:-

1۔ اِلٰی بمعنی تک (زمان کیلئے):-

❁ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیۡلِ 2/187 = پھر تم رات تک روزہ مکمل کرو۔

اِلٰی بمعنی تک (مکان کیلئے):-

❁ مِنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا 17/1 = مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

2۔ اِلٰی بمعنی سمیت:-

❁ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ 5/6 = اپنے چہرے اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھولیا کرو۔

3۔ اِلٰی بمعنی کے ساتھ:-

❁ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰۤی اَمۡوَالِكُمۡ 4/2 = اور اپنے مالوں کیساتھ اُن یتیموں کے مال نہ کھا جانا۔

4۔ اِلٰی بمعنی کو:-

❁ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰی يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ 6/12 = وہ قیامت کے دن کو تمہیں ضرور اکٹھا کرے گا۔

5۔ اِلٰی بمعنی میں:-

❁ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰی يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ 6/12 = وہ قیامت کے دن میں تمہیں ضرور اکٹھا کرے گا۔

6۔ اِلٰی زائدہ:-

❁ اسی 6/12 کا مفہوم اِلٰی کے بغیر بھی صحیح برآمد ہوتا ہے کہ = وہ قیامت کے دن تمہیں ضرور اکٹھا کرے گا۔

7۔ اِلٰی بمعنی کے نزدیک:-

❁ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ 12/33 = اے میرے پروردگار میرے نزدیک قیدخانہ اُس سے پسندیدہ ہے۔

8۔ الیٰ بمعنی کے متعلق:۔

۞ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ 17/4 =اور ہم نے بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا۔

9۔ الیٰ بمعنی کے لئے:۔

۞ وَالْاَمْرُ اِلَيْكِ 27/33 =اور حکم تیرے لئے ہے۔

10۔ الیٰ بمعنی کی طرف:۔

۞ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o 22/54 =اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

31.11 کَلَّا کے مختلف استعمالات

حرف ردع ہے۔ اِس کا عمومی معنیٰ ہے ہرگز نہیں۔لیکن قرآنِ کریم میں اس کے متعدّد استعمال موجود ہیں:۔

1۔ کَلَّا بمعنی بات یوں نہیں ہے:۔

۞ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ o كَلَّا بَلْ سکتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ o 14-83/13 =جب اُس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں بات یوں نہیں ، یہ قرآن کہانیاں نہیں، بلکہ یہ لوگ جو کسب کرتے رہے تھے اُس نے اِن کے دِلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔

2۔ کَلَّا بمعنی ہرگز نہیں:۔

۞ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ o قَالَ كَلَّا ج اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ o 61-26/62 =(جب فرعون بنی اسرائیل کا تعاقب کرتا ہوا قریب پہنچ گیا تو) اصحابِ موسیٰ نے کہا بے شک ہم پکڑے جانے والے ہیں۔موسیٰ نے فرمایا

ہرگز نہیں ۔میرا پروردگار ضرور میری رہنمائی کرے گا۔(فرعون کی گرفت سے ضرور بچا لے گا)۔

3۔ کَلَّا بمعنی وہ ایسا نہیں کرسکیں گے:-

❁ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ قَالَ كَلَّا ج 26/15-14۔

(موسیٰ سلامٌ علیہ نے کہا کہ) فرعونیوں کا میرے ذِمّہ ایک جرم ہے (کہ مجھ سے اُن کا ایک آدمی قتل ہوگیا تھا) اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل نہ کردیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔وہ ایسا نہیں کرسکیں گے ۔

4۔ کَلَّا بمعنی حقیقت یہ ہے:-

❁ كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى 96/6= حقیقت یہ ہے کہ بلا شبہ انسان، اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے۔

5۔ کَلَّا بمعنی ضرور ضرور:-

❁ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ لا ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ط 3-102/4=

ضرور ضرور تم عنقریب جان لوگے۔پھر سُن لو کہ، ضرور ضرور تم عنقریب جان لوگے۔

31.12 بَل کے مختلف استعمالات:-

حرفِ استدراک ہے۔کبھی کلام ماسبق کی تردید وانکار کے لئے، کبھی تائید و تصدیق کے لئے، اور کبھی وضاحت واضافہ کے لئے آتا ہے۔نیز کبھی کلامِ ماسبق کی تردید کے بغیر، کلامِ مابعد کی تائید کے لئے آتا ہے۔

1۔ بَل برائے تردید وانکار:-

❁ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لا

21/26 = اور وہ (انبیاءؑ میں سے بعض کے متعلق) کہتے ہیں کہ رحمان نے اُنہیں بیٹا بنایا ہے۔ وہ بیٹے سے پاک ہے۔ (اُس نے کسی نبی کو بیٹا نہیں بنایا) بلکہ وہ اُس کے واجب التکریم بندے تھے۔

2۔ بَل برائے تائید وتوثیق:-

﴿ قَالُوٓاءَ اَنۡتَ فَعَلۡتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبۡرَاهِيۡمُ ۝ قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡئَلُوۡ هُمۡ اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ ۝ 21/63-62 ۔ سابقہ تفسیروں نے اس آیت میں آمدہ بَلۡ کو، برائے تردید وانکار قرار دے کر سیّدنا ابراہیم سلامٌ علیہ کو دروغ گو بنا دیا ہے۔ حالانکہ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا 19/41 کی قرآنی خبر کے مطابق آپ ہرگز ہرگز جھوٹ بولنے والے نہیں تھے، نہ دروغِ مصلحت آمیز نہ دروغ شر انگیز۔ اِس لئے 21/63 میں آمدہ بل تردید و انکار کا نہیں ہوسکتا کہ جب بت پرستوں نے کہا کہ اے ابراہیم کیا ہمارے بتوں کو تو نے توڑا ہے۔ تو آپ سلامٌ علیہ نے جھوٹ بولا ہو کہ میں نے نہیں، بلکہ بڑے بت نے اُنہیں توڑ ڈالا ہے۔ فلہٰذا یہ بَل تائید وتصدیق کا ہے۔ تردید وانکار کا نہیں اور آیت مجیدہ کا عین قرآنی مفہوم یہ ہے:-

''بت پرستوں نے کہا کہ اے ابراہیمؑ! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے ایسا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اُسی نے کیا ہے (جس کا تم ذکر کررہے تھے[1]) یہ بڑا بت (صحیح سالم موجود) ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو اِنہی سے پوچھ لو۔ کہ تمہیں کس نے توڑا ہے''۔

[1] قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ کے فعل، فَعَلَ کی هُوَ ضمیر مستتر، آیت ماقبل 21/60 کے لفظ ابراہیمؑ کی طرف پھرتی ہے کہ جب اُنہوں نے بتوں کو ٹوٹا ہوا پایا تو ایک دوسرے سے پوچھا:- قَالُوۡا مَنۡ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا = انہوں نے کہا ہمارے معبودوں کیساتھ ایسا کس نے کیا ہے۔ دوسروں نے جواب دیا:- ﴿ قَالُوۡا سَمِعۡنَا فَتًى يَّذۡكُرُهُمۡ يُقَالُ لَهٗۤ اِبۡرٰهِيۡمُ ۝ 21/60 = انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کے متعلق سنا ہے کہ وہ اِن کے ساتھ ایسی تجویز کرنے کا ذکر کرتا تھا۔ اُس نوجوان کو ابراہیمؑ کہتے

ہیں۔ابراہیمؑ نے جبکہ خود اعلان کر رکھا تھاوَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ 21/57= اللہ کی قسم میں ضرور تمہارے بتوں کے ساتھ ایک تجویز کروں گا۔اس لئے ابراہیم صِدِّيقًا نَبِيًّا 19/41۔کی طرف دروغِ مصلحت آمیز بھی منسوب نہیں ہوسکتا۔پس 21/63 میں، آمدہ بَل برائے تردیدوانکار نہیں برائے تائیدواقرار ہے۔(كَبِيْرُهُمْ هٰذَا مرکب ناقص مبتدا، اور سَالِمٌ خبر محذوف ہے۔قرینہ موجود ہو تو خبر محذوف ہوسکتی ہے۔پس تقدیرِ کلام یہ ہے:- كَبِيْرُهُمْ هٰذَا سَالِمٌ، یہ ان کا بڑا صحیح سالم ہے۔اگر یہ بولتے ہیں تو اِنہی سے پوچھ لو، کہ اِن کے ساتھ توڑ پھوڑ کس نے کی ہے)۔

3۔ بَل برائے وضاحت واضافہ:-

۞ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ 21/5 = بلکہ (ہماری آیتوں کے متعلق) لوگوں نے کہا کہ یہ پریشان خیالات ہیں۔ بلکہ یہ کہا کہ اس نے اپنی طرف سے بنالی ہیں، بلکہ یہ کہا کہ یہ رسول تو ایک شاعر ہے۔

4۔ بَلْ برائے تائید کلام مابعد بلا تردید کلام ماسبق:-

۞ وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ o بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا 23/63-62=اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو سچ بولتی ہے، اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔لیکن اِن کے اذہان اِس کی طرف سے غفلت میں ہیں۔

31.13 مِنْ دُوْن کے مختلف استعمالات

مِنْ دُوْن کا معنٰی عموماً لیا جاتا ہے "کے سوا"۔لیکن قرآنی لُغت میں اس کا معنٰی "کے ساتھ" بھی ہے:-

۞ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ 5/116=اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالٰی کہے گا کہ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ! کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ

کے ساتھ دوالٰہ اور ٹھہرالو...... دیکھئے گا! یہاں مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا معنٰی اللہ کے سِوا نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ 5/73 میں نصاریٰ کا عقیدہ اللہ کے ساتھ دو اور الٰہ ٹھہرانا بتایا گیا ہے۔ اللہ کے سِوا دو الٰہ ٹھہرانا نہیں بتایا:- ❁ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ = بے شک وہ لوگ کافر ہوئے جو کہتے ہیں اللہ تین الٰہوں کا تیسرا ہے۔ پس مِنْ دُوْن کا معنٰی ''کے ساتھ'' بھی قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔

31.14 اِلَّا کے مختلف استعمالات

یہ حرفِ استثنٰی ہے۔ جو عموماً سوائے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم میں اس کے متعدد معنے موجود ہیں:-

1۔ اِلَّا بمعنی سوائے:-

❁ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ 47/19 ۔ اللہ کے سِوا کوئی الٰہ نہیں۔

2۔ اِلَّا بمعنی ہاں البتہ:-

❁ فَلَوْ لَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِیْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ 10/98 = پس کیوں نہ ہوئی کوئی ایسی بستی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اُسے نفع دیتا۔ ہاں البتہ قومِ یونس ایسی تھی کہ ایمان لائی اور اُسے اُس کے ایمان نے فائدہ دیا۔ (یعنی اُس سے عذابِ الٰہی ٹل گیا)

3۔ اِلَّا عاطفہ بمعنی اَور:-

❁ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ 27/10-11 = بے شک میرے رسول ہرگز میرے ہاں نہیں ڈرتے۔ اَور وہ شخص بھی نہیں ڈرتا، جس نے کوئی زیادتی کی۔ پھر اعمال صالحہ کے ساتھ برائی کو نیکی کے ساتھ بدل دیا۔

4۔ اِلَّا برائے استغراق:-

❁ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ 38/14 =بِلا شبہ سب نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا۔

5۔ اِلَّا بمعنی اِنْ لَا (اگر نہیں):-

❁ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا 9/40 =اگر تم اُس کی مدد نہ کروتو کوئی بات نہیں۔اللہ نے اُس کی مدد اُس وقت بھی کی تھی، جب اُسے کافروں نے نکال دیا تھا(اورآئندہ بھی کرتا رہے گا)۔

6۔ اِلَّا برائے تاکیدوتائید:-

❁ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ 11/108 = اہلِ جہنم اُس میں اُس وقت تک رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں۔یقیناً تیرے پروردگار نے جو چاہا ہے وہی ہوگا۔یعنی اُس نے ایسا ہی چاہا ہے کہ جب تک آسمان و زمین موجود ہیں، وہ جہنم میں رہیں...... دیکھئے! یہاں اِلَّا کلام ماسبق کی تاکید و تائید کے لئے آیا ہے۔تردید کے لئے نہیں آیا۔اسی طرح 87/7-6 میں بھی آیا ہے:- سَنُقْرِءُكَ فَلَا تَنْسٰى o اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ 87/7-6 = اے رسول!بِلا شبہ ہم آپ کو پڑھاتے ہیں پھر آپ ہرگز بھولتے نہیں۔ اِس آیتِ مجیدہ کے اِس ٹکڑے سے ثابت ہوتا ہے کہ نزولِ وحی کے ساتھ ہی رسولؐ کو قرآن مجید حفظ ہوتا چلا جاتا تھا۔ایسا حفظ' جو آپ کے ذہنِ مبارک سے کبھی محو نہیں ہوتا تھا۔اب اِس سے آگے آیا ہے اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ...... اگر یہاں اِلَّا کو استثنائیہ قرار دیا جائے تو معنٰی بنتا ہے کہ ''ہم آپ کو پڑھاتے ہیں پھر وہ آپ کو حِفظ ہو جاتا ہے آپ ہرگز نہیں بھولتے۔سوائے اُس کے جسے اللہ بھلا دینا چاہئے''۔ظاہر ہے کہ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ کا مفہوم سیاقِ کلام کے خلاف ہے۔کیونکہ قرآنِ کریم کے جس حصے کو بھلا دینا ہو اس کا نازل کرنا، کارِ عبث اور محض ڈرامائی کردار ثابت ہوتا ہے۔اب

چونکہ ایسے کردار سے ذات الٰہی پاک ومنزّہ ہے۔ پس ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کو رسولؐ کے ذہن میں محفوظ کرنے کی جو کیفیت آیتِ مجیدہ کے پہلے جملے میں بتائی گئی ہے سَنُقْرِءُ کَ فَلَا تَنْسٰی ۔ یقیناً ہم آپ کو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔ پس وہ آپ کے ذہن مبارک میں محفوظ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس پر جملہ مَاشَآ ءَ اللّٰہُ اس کی تائید وتاکید کے لئے ہی ہوسکتا ہے، تردید کے لئے نہیں۔ پس سیاقِ کلام کے مطابق اِلَّا مَاشَآ ءَ اللّٰہُ کا مفہوم یہ ہے "یقیناً جو چاہا اللہ نے، یعنی اللہ تعالیٰ نے چاہا ہی یہ ہے کہ آپ کو قرآن کی جو تعلیم دی جائے۔ وہ آپ کو ایسی حفظ ہوتی چلی جائے کہ آپ ہرگز ہرگز نہ بھولیں"۔

سؔ بمعنی یقیناً کے لئے عنوان نمبر 31.5 میں حرف سؔ کی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

31.15 اِنَّ کے مختلف استعمالات

حرفِ تاکید ہے، عموماً ابتداءِ کلام میں آتا ہے:- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ .... 2/6 = بے شک جو لوگ ضابطۂ الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ اُنہیں آخرت کے عذاب سے ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔

اِنَّمَا ، اِنَّ + مَا کا مرکّب ہے۔ کلمہ حصر ہے بمعنی سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں ۔

اِنَّا ، اِنَّ اور نَا کا مرکّب ہے۔ قرآنِ کریم میں اِنَّا اور اِنَّنَا دونوں صورتوں میں آیا ہے۔ بمعنی بے شک ہم۔

اِنِّیْ، اِنَّ اور ی کا مرکب ہے۔ اِنِّی اور اِنَّنِیْ دونوں صورتوں میں آیا ہے۔ بمعنی بے شک میں۔

اِنَّکَ. اِنَّکُمْ وغیرہ ایک ہی صورت میں آئے ہیں۔ بمعنی بے شک تُو۔ بے شک تُم۔

31.16 اَنّٰی کے مختلف استعمالات:-

یہ حرفِ استفہام ہے۔متعدّد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

1۔ اَنّٰی بمعنی کس طرح:-

❁ اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ 6/101=اللہ کا بیٹا کس طرح ہوسکتا ہے۔جبکہ اُس کی بیوی ہی کوئی نہیں۔

2۔ اَنّٰی بمعنی کہاں سے:-

❁ اَنّٰـــی لَکِ هٰـذَا 3/37=(اے مریمؑ!) تجھے یہ رزق کہاں سے ملا ہے۔

3۔ اَنّٰی بمعنی کدھر کو:-

❁ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ 6/95=پھر تم کدھر کو اُلٹے پھر رہے ہو۔

4۔ اَنّٰی بمعنی جب:-

❁ نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ ص فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ 2/223= تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ممنوعہ اوقات،یعنی حمل،حیض،بیماری،زچگی کے علاوہ،اپنی کھیتیوں کو جب چاہو آ ؤ۔

31.17 استفہام اقراری اور انکاری:-

حروفِ استفہام کے متعلق یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اگر اِن میں اِنکار مذکور ہوتو اقرار مقصود ہوتا ہے۔اور اگر اقرار مذکور ہوتو انکار مقصود ہوتا ہے۔

1۔ استفہامِ انکاری:-

❁ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ 67/3=اے مُخاطب! کیا تو کائنات میں کوئی کمی دیکھتا ہے......دیکھئے گا! اگرچہ یہاں ’’دیکھتا ہے‘‘ کے مثبت الفاظ آئے ہیں۔لیکن

متکلم کی غرض یہ بتانا ہے کہ تُو کائنات میں ہرگز کوئی کمی نہیں دیکھتا''۔

2۔ **استفہام اقراری:-**

❁ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ 95/8= کیا اللہ تعالیٰ حاکموں کا حاکم نہیں ہے، اِس جملہ میں اگرچہ ''نہیں ہے'' کے منفی الفاظ آئے ہیں، لیکن متکلّم کی غرض یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکموں کا حاکم ہے۔

یاد رہے کہ سورہ تحریم 66/1 میں یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ میں استفہام انکاری ہے۔ جس سے سابقہ تفاسیر وتراجم نے رسولؐ کی طرف اللہ کے حلال کو حرام کرنا منسوب کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہاں کہا گیا ہے کہ تو کیوں اللہ کے حلال کو حرام کرے گا۔ یعنی تو کبھی نہیں کرے گا۔

31.18 اِنۡ کے مختلف استعمالات:-

اہلِ قواعد نے اِسے شرطیہ ماننے کے علاوہ نافیہ اس شرط پر مانا ہے کہ اِس کے بعد اِلَّا آیا ہو اور اسے تاکیدیہ اِس شرط کے ساتھ تسلیم کیا ہے کہ اگر اس کا صلہ لام آئے۔ لیکن قرآنِ کریم میں اِنۡ نافیہ بلا وُرودِ اِلَّا بھی آیا ہے اور اِنۡ تاکیدیہ بمعنی اِنَّ بلا صلہ لام بھی آیا ہے۔ بالترتیب مثالیں ملاحظہ فرمائیں:-

1۔ **اِنۡ شرطیہ:-**

❁ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ o 10/15 = اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو بلا شبہ میں بھی بڑے دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں۔

2۔ **اِنۡ نافیہ باوُرود اِلَّا:-** ❁ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ 6/57= اللہ کے سِوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں۔

3۔ **اِنۡ نافیہ بلا وُرود اِلَّا:-**

❁ اِنۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِھٰذَا 10/68= تمہارے پاس اِس کی کوئی

دلیل نہیں ہے ۔

4۔ **اِنْ تاکیدیہ بمعنی بے شک** صلہ لام کے ساتھ :۔

❁ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ 12/3 =اور **بے شک** تو اِس سے پہلے بے خبروں میں سے تھا۔اس آیت میں لَمِنْ کی لام،حرف اِنْ کے صلہ کی لام ہے۔

5۔ **اِنْ تاکیدیہ بمعنی بے شک** بغیر صلہ لام :۔

❁ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ 24/33 =اورتم اپنی خادمہ عورتوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو، تاکہ تم دنیوی زندگی کا مال حاصل کرو۔ **بے شک** وہ اس سے بچنے کا ارادہ رکھتی ہیں...... یہ تو ہے اس آیت مجیدہ کا معنیٰ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا میں،اِنْ تاکیدیہ بمعنی اِنَّ، بیشک کی صورت میں......لیکن چونکہ۔اس آیت میں حرفِ اِنْ کا لام صلہ موجود نہیں۔ اِس لئے جملہ تراجم میں اِس آیت کا معنیٰ ،اِسے اِنْ شرطیہ قرار دے کر یہ لکھا ہے:۔

اگر تمہاری خادمائیں عصمت کو بچانے کا ارادہ کریں تو اُنہیں دنیا کا مال حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو......اس ترجمے پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ عصمت کو بچانے کا ارادہ نہ کریں تو کیا پھر ان کی عصمت فروشی کا روبار کھول لینے کی اجازت دے دی گئی ہے؟ معاذ اللہ استغفر اللہ!......فلہٰذا ان دلائلِ قاطعہ کی رُو سے ثابت ہوا، کہ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا 24/33 میں اِنْ بمعنی اِنَّ ہے۔اور یہ جملہ معترضہ کی صورت میں عورتوں کی عام جبلّت کے اظہار کے لئے آیا ہے کہ وہ تو بلا شبہ عصمت فروشی سے بچنا چاہتی ہیں۔تم دنیوی مال کے لئے اُنہیں عصمت فروشی کے لئے مجبور نہ کرو۔ چنانچہ آیتِ مجیدہ کے اگلے الفاظ میں کہا گیا ہے:۔ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ 24/33 =اور جو کوئی اُنہیں بدکاری پر مجبور کرے۔تو اُن کے مجبور کئے جانے کے بعد (اِس گناہ کا بوجھ مجبور کرنے والوں پر

ہوگا) مجبور کی گئی عصمت فروشوں کے لئے اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔فلہٰذا مہرِ نیمروز کی طرح ثابت ہوا کہ اِنْ تاکیدیہ کا جب قرینہ موجود ہو اِس کا صلہ لام حذف ہوتا ہے۔

31.19 اَمْ کے مختلف استعمالات:-

1۔ اَمْ بمعنی یا:-

❁ ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ 79/27= کیا پیدائش کی رُو سے تم زیادہ سخت ہو۔یا فضائی کرّہ جات۔

2۔ اَمْ بمعنی نیز:-

❁ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ 13/16= کہہ دے اے رسولؐ! کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں۔ نیز کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہوسکتے ہیں۔

3۔ اَمْ زائدہ:-

❁ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا...... 43/52= میں اس سے بہتر ہوں۔

31.20 اَمَّا کے مختلف استعمالات:-

یہ اَنْ اور مَا کا مرکّب ہے۔استیناف کا فائدہ دیتا ہے۔ جو، جس اور یا کے معنوں میں آیا ہے:-

1۔ اَمَّا بمعنی جو، جس:-

❁ اَمَّا السَّفِيْنَةُ ...... وَاَمَّا الْغُلَامُ ...... وَاَمَّا الْجِدَارُ 79-18/82= جو کشتی ہے، اُس کا قِصّہ یہ ہے......اور جو لڑکا ہے، اُس کی حقیقت یہ ہے......اور جو دیوار ہے اُس کا واقعہ یہ ہے۔

2۔ اَمَّا بمعنی یا:-

✿ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَیۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَیَیۡن 6/144=یا وہ، جو دونوں موﺆنثوں کے رحموں میں ہے۔

31.21 اِمَّا کے مختلف استعمالات:-

دراصل یہ اِنۡ اور مَـــا کا مرکّب ہے بتکرار وارد ہوا ہے۔ اِس کے متعدّ د مفاہیم قرآنِ کریم میں آئے ہیں:-

1۔ اِمَّا بمعنی یا:-

✿ فَـاِمَّـا مَنًّا بَعۡـدُ وَاِمَّا فِدَآءً 47/4=جنگی قیدیوں کو یا تو احسان کر کے آزاد کرنا ہے اور یا فدیہ لے کر آزاد کرنا ہے۔

2۔ اِمَّا بمعنی خواہ:-

✿ اِمَّـا شَـاكِـرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا 76/3=خواہ شکر کرنے والا ہو، اور خواہ انکار کرنے والا ہو جائے۔

3۔ اِمَّا بمعنی اگر:-

✿ فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا 19/26= پھر اگر تُو کسی بشر کو دیکھے۔

31.22 بَعۡدُ کے مختلف استعمالات:-

یہ مادہ ب۔ ع۔ د۔ سے مشتق ہے۔ بمعنی دُوری اور دُور ہونا۔ لیکن بطورِ حرفِ جار بھی استعمال ہوتا ہے بمعنے کے بعد۔ قرآن مجید میں بصورتِ حرف ذیل کے متعدّ د معنوں میں استعمال ہوا ہے:-

1۔ بَعۡدُ بمعنی کے بعد:-

✿ اَنَّـهٗ مَـنۡ عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا بِـجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَـعۡدِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاَنَّهٗ غَـفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ o 6/54=حقیقت یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص نادانی کے ساتھ کوئی ناروا کام

کر بیٹھے۔ پھر اُس کے بعد اگر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو وہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

2۔ **بَعْدُ بمعنی سوا:-**

❁ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ م بَعْدِاللهِ 45/23= پھر اللہ کے سوا اُس کی کون رہنمائی کر سکتا ہے۔

3۔ **بَعْدُ بمعنی اِسکے باوجود:-**

❁ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o 2/178= مذکورہ رعائتیں تیرے پروردگار کی طرف سے بطور تخفیف ورحمت ہیں۔ پھر اس کے باوجود جو کوئی سرکشی کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

31.23 ذَالِكَ کا قرآنی استعمال:-

یہ اسم اشارہ واحد مذکر بعید ہے۔ سِلسلۂ کلام میں آئے تو کسی دُور کی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ مثلاً نزدیک پڑے ہوئے قلم کے لئے کہیں گے هٰــذَا الْــقَــلَــمُ. اور دُور پڑے ہوئے رجسٹر کے لئے کہا جاتا ہے ذٰلِكَ الــدَّفْتَــرُ...... لیکن جب ذَالِكَ سلسلۂ تحریر میں آتا ہے، تو اُس سے مُراد ہوتی ہے مذکورہ بالا۔ جیسے کہ قرآنِ کریم میں ذیل کی متعدّد مثالیں موجود ہیں۔ بنی اسرائیل کے متعلق آیا ہے:-

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ق وَبَآءُ وْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللهِ 2/61= اور اُن پر ذِلّت ومسکنت مسلّط کر دی گئی اور وہ غضبِ الٰہی کے مستحق ہو گئے۔ مذکورہ بالا عذاب اُن پر اِس لئے واجب ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

سورہ بقر کی آیت نمبر 225 تا 231 میں طلاق کے مسائل کی وضاحت

کے بعد ارشاد ہوا ہے:- ذٰلِکَ یُوۡعَظُ بِہٖ 2/232=اللہ تعالٰی مذکورہ بالا ہدایتوں کی نصیحت کرتا ہے اُس کے لئے جو اللہ اور روزِ مکافات پر ایمان رکھتا ہے۔

نیز آیت نمبر 243 تا 248 میں طالوت کا جالوت کے ساتھ جہاد کرنے کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:- اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ o 2/248=بلا شبہ مذکورہ بالا بیان میں، اگر تم مومن ہو تو تمہارے لئے ایک واضح نشان موجود ہے۔

32۔ قواعد کی بحث

32.1 افعال ثلاثی مجرّد کا خاصۂ وِجدان

قواعد کی رُو سے عربی افعال کی دو قسمیں ہیں، مجرّد اور مزید فیہ۔ اہلِ قواعد نے مزید فیہ کے بعض ابواب کا خاصۂ وِجدان تسلیم کیا ہے۔ لیکن مجرّد افعال کا خاصۂ وِجدان تسلیم نہیں کیا گیا۔ لیکن واضح رہے کہ ترتیبِ قواعد محض بشری کوششوں کا خاصا نتیجہ ہے۔ اور بشری کوششیں سہو وخطا سے منزہ نہیں ہوسکتیں۔ سہو وخطا سے پاک اللہ تعالٰی اور اُس کی مقدّس کتاب قرآنِ کریم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ قواعد اپنے مرتّب کردہ صرفی نحوی کُلیات کی صحت کی دلیل کے لئے قرآنی آیات ہی لاتے ہیں۔ اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے ۔ کہ قواعد کی صحت کی دلیل آیاتِ قرآنیہ ہوں۔ فلہٰذا اہلِ قواعد کے اپنے تسلیم کردہ نظریہ کی مطابق، کہ گرائمر کا ہر وہ کلیہ صحیح ہے جس کی تائید قرآنی آیاتِ کریمات کرتی ہوں۔ اور ہر وہ کلیہ غلط ہے جو قرآنِ کریم کے خلاف ہو۔ اس سلسلے میں ہم حروف کی بحث عنوان نمبر 31/18 میں اِنۡ نافیہ اور اِنۡ تاکیدیہ کے متعلق عرض کر چکے ہیں کہ قرآنِ کریم میں اِنۡ نافیہ بلا وُرُود اِلَّا بھی آیا ہے۔ اور بلا

صلہ لام اِنْ بمعنی اِنَّ بھی آیا ہے۔ اِسی طرح واضح رہے کہ:-قرآنِ کریم کی آیات مقدّسات سے ثابت ہوتا ہے کہ افعال ثلاثی مجرّد کا خاصۂ وِجدان تسلیم کرنا لازم ہے۔ کیونکہ اگر ثلاثی مجرّد کا خاصۂ وِجدان تسلیم نہ کیا جائے تو قرآنِ کریم میں تضاد وتخالف پایا جاتا ہے۔اس کا بتایا ہوا مکافاتِ عمل کا نظریہ بیکار محض ٹھہرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ ظالم اور غیر عادل ثابت ہوتا ہے۔مثلاً سورہ یٰسٓ میں ضابطۂ الٰہی کا انکار کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ o اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلاً فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ o وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ o 36/9-7 = ان آیاتِ مقدّسات کا مفہوم، ہر ترجمہ اور تفسیر میں افعال ثلاثی مجرّد کو خاصۂ وِجدان سے تہی دامن مان کر یہ لکھا ہے:-

بے شک ان میں سے اکثر پر عذاب کی بات واجب ہو چکی ہے۔ پس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں۔ پھر وہ طوق ٹھوڑیوں تک ہیں۔ پس وہ اپنے سر اُوپر کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے اُن کے آگے بھی دیوار بنا دی ہے۔ اوران کے پیچھے بھی دیوار بنا دی ہے۔ پھر ہم نے اُنہیں ڈھانپ دیا ہے، پس وہ نہیں دیکھتے۔

اب غور فرمایئے گا! کہ اس ترجمہ کی رُو سے، جن کے گلے میں اللہ تعالیٰ خود ایسا طوق ڈالدے جو ٹھوڑی تک پہنچ کر اُس کو اوپر کا اوپر اٹھا رکھے۔ مزید برآں ان کے آگے بھی دیوار کھینچ دی گئی ہو۔ اور پیچھے بھی دیوار کھینچ کر اوپر سے ڈھانپ دیا گیا ہو۔ اگر اُنہیں راہِ ہدایت نظر نہ آئے تو اُن بچاروں کو کیا قصور؟ اور مروّجہ ترجمہ کی رُو سے سب کچھ خود کر چکنے کے بعد اگلی آیتِ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے:-

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ o 36/10 =

اوراے رسولؐ! آپ اُن کو برے اعمال کے بُرے نتائج سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔اس پرسورہ بقرمیں ذیل کامزیداضافہ موجود ہے:-

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِہِمۡ ؕ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۝ 2/7 = ہم نے اُن کے ذہنوں پراوران کے کانوں پرمُہر لگادی ہے۔اوراُن کی آنکھوں پر پردہ ہےاوراُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

ان بچاروں کا قصور کیا ہے؟

اب غورطلب امر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ذہنوں اور کانوں پرمہر کردی ہو۔آگے پیچھے دیواریں کھینچ کراُوپر سے ڈھانپ دیا ہو۔تو اِس صورت میں اگروہ نہ سُن سکنے اور نہ سوچ سکنے کے باعث راہِ ہدایت کوقبول نہ کریں تو اُن کا کیا قصور؟اور ہدایت سے خودمحروم کردہ افراد کے لئے وَلَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝ کا فیصلہ کہاں کا انصاف ہے؟...... یہ وہ آیاتِ کریمات ہیں جن کی رُو سے بڑے بڑے جید علماء برسرمنبرکہہ دیتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ محرومِ ہدایت کردے اُسے کوئی ہدایت نہیں دےسکتا۔وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَالَہٗ مِنۡ ھَادٍ 39/36 کامفہوم بھی یہی لیا جاتا ہے کہ جسے اللہ گمراہ کردے اُسے کوئی ہدایت دینے والانہیں ...... یادرہے کہ اللہ تعالیٰ کو گمراہ کرنے والا،اورخود گمراہ کردہ کوعذاب دینے والاقراردےکرظالم ٹھہرانے میں صرف اِس بشری سہو کا ہاتھ ہے، جومجرّد افعال کا خاصۂ وِجدان تسلیم نہیں کیا گیا۔ آیاتِ بالا پراگرمعمولی ساغورکیاجائےتو یہ بات نکھرکرسامنے آرہی ہے کہ جس طرح ابواب مزید فیہ کا خاصۂ وِجدان تسلیم کیا گیا ہے۔اسی طرح افعال مجرّد میں بھی خاصۂ وِجدان موجود ہے۔ذیل میں آیاتِ بالا کا ترجمہ اورمفہوم بصورتِ خاصۂ وِجدان ملاحظہ فرمائیں۔آپ دیکھیں گے کہ کس طرح ہراُلجھن کی گرہ کشائی ہوجاتی،اورذاتِ باری اُس عظیم اعتراض سے بری ثابت ہوتی ہے جومروّجہ تراجم کی رُوسے عائدہوتا،اوراُسے انتہائی ظالم ٹھہراتا ہے۔یہ ہے آیاتِ کریمات کامتن معہ قرآنی مفہوم:-

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِھِمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ o اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلاً فَھِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَھُمْ مُّقْمَحُوْنَ o وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ سَدًّاوَّمِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ o وَسَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ o 36/10-7 ۔بے شک اُن کی اکثریت پر عذاب کا حکم وارد ہو چکا، کیونکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک ہم نے اُن کی گردنوں میں (غیر اللہ کی تقلید واطاعت[1] کے) طوق پڑے ہوئے پائے ہیں[2]۔(اُنہیں وہ خود اتارتے نہیں) پھر وہ طوق اُن کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں۔اس لئے[3] وہ سروں کو اُوپر اٹھائے ہوئے ہیں۔ (یعنی ذاتی منفعت کوشیوں پر مشتمل، غیر اللہ کی اطاعت کے طوق اُنہیں ربوبیّتِ عامہ سے محروم افراد، یعنی نچلی سطح کے لوگوں کی طرف دیکھنے ہی نہیں دیتے) اورہم نے ان کے سامنے بھی (عوام کُش نظریات کی) ایک دیوار کھچی ہوئی پائی ہے اورانکے پیچھے بھی ایک دیوار کھچی ہوئی پائی ہے[4]۔اوراُنہیں (انفرادی منفعت کوشیوں کے دبیز) پردوں میں ڈھکا ہوا پایا ہے[5]۔اس لئے[6] وہ نہیں دیکھتے۔ (اے رسولؐ! اِن حالات میں) اُن کے لئے برابر ہے کہ آپ اُنہیں اُن کے اعمال کے خطرناک نتائج سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، ایسے لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس سے آگے آیت مجیدہ 2/6 کا مفہوم افعال مجرّد کے خاصۂ وِجدان کے قرآنی کلیہ کے مطابق ملاحظہ فرمائیں۔آیت مجیدہ یہ ہے:-

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ ط وَ عَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ز وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ o 2/7 = اللہ نے ان کے قلوب اور کانوں پر (ربوبیّت کُش نظریات کی) مُہریں لگی ہوئی پائی ہیں[7]۔ اوراُن کی آنکھوں پر (ربوبیّت کُش عقائد کا) پردہ پڑا ہوا ہے[8]۔اس لئے وہ (ضابطۂ ربوبیّت پر ایمان نہیں لاتے) اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

حاشیہ دیکھئے اگلے صفحہ پر

دیکھا آپ

دیکھا آپ نے کہ:-

قرآنی رہنمائی کے مطابق مجرّد افعال کا خاصۂ وِجدان تسلیم کرنے سے اِس خاصہ کے ترک کی بدولت ذاتِ باری پر وارد شُدہ بڑے بڑے اعتراضات کے کوہِ گراں کِس طرح چشم زدن میں پاش پاش ہو چکے ہیں۔اب نہ اللہ تعالیٰ ظالم ٹھہرتا ہے کہ خود ہی آگے پیچھے دیواریں بھی کھینچتا ہےاور عذابِ عظیم کی وعید بھی سُناتا ہے اور نہ قرآنِ کریم میں تضادوتخالف ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف تو لَا يَظْلِمُ النَّاسَ کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔اور دوسری طرف خود قلوب و اذہان پر مُہریں لگا دیتا ہے کہ وُہ ضابطۂ باری تعالیٰ پر ایمان نہ لاسکیں۔اور عذابِ الٰہی

پچھلے صفحہ کا حاشیہ 1۔ 7/157 میں آیا ہے کہ رسولِ کریمؐ یہی غیر اللہ کی تقلید واطاعت کے طوق اتارتے تھے۔وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ= وہ رسولؐ عربی لوگوں کے وہ بوجھ یعنی وہ طوق اُتارتے ہیں جواُن پر پڑے ہوئے ہیں،قرآنِ کریم،اپنے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے اولین درس کے مطابق ربوبیّتِ عامہ کا ایک ہی الٰہی طوق پہنا تا ہے۔اس کے برعکس انفرادی منفعت کوشیوں کے غیر اللہ کی اطاعت کے طوق لوگ خود پہن لیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں پہنا تا۔ 2 ''ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے پائے ہیں''۔یہ خط کشیدہ الفاظ فعل ثلاثی مجرّد کے خاصۂ وِجدان کی رُو سے متن میں آمدہ لفظ جَعَلْنَا کا معنٰی ہیں۔ 3،6 واوٗ کا معنٰی ہے اس لئے۔دلیل کے لئے دیکھئے حروف کی بحث عنوان نمبر 31/1 کی شق نمبر۸۔ 4 ''ہم نے دیوار کھچی ہوئی پائی ہے''۔خط کشیدہ الفاظ فعل ثلاثی مجرّد کے قرآنی خاصۂ وِجدان کی رُو سے،متن میں آمدہ لفظ جَعَلْنَا کا معنٰی ہیں۔ 5 اِسی خاصہ کی رُو سے ''پس ہم نے اُنہیں ڈھکا ہوا پایا ہے''۔یہ متن میں آمدہ فَاَغْشَيْنٰهُمْ کا معنٰی ہیں۔یہاں اَغْشٰی فعل مزید فیہ باب افعال سے ہے جس کا خاصۂ نسبت بماخذ اہلِ قواعد نے پہلے ہی تسلیم کیا ہوا ہے جو وِجدان ہی کے مترادف ہے۔ 7 ''اللہ نے......مہریں لگی ہوئی پائی ہیں''۔یہ خَتَمَ. فعل ثلاثی مجرّد کے خاصۂ وِجدان کی رُو سے،متن میں آمدہ الفاظ خَتَمَ اللّٰهُ کا معنٰی ہے۔ 8 ''اوراُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے''۔یہ معنٰی ہے وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ کا۔یہ جملہ اسمیہ خبر یہ ہے۔اس کا جو معنٰی ہم نے لکھا ہے۔ترکیبِ نحوی کے مطابق سو فیصدی صحیح ہےاور اللہ تعالیٰ سابقہ تراجم کے اس الزام سے سو فیصدی بری ہے کہ وہ خود ہی لوگوں کے قلوب واذہان،اور کانوں پر مہریں لگا کر،اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال کر،اُن کے آگے پیچھے دیواریں کھینچ کر خود گمراہ کرتا ہےاور خود ہی اُنہیں عذابِ الیم کی وعید سُناتا ہے۔

کے مستحق ٹھہریں۔العیاذ باللہ!

32.2 فعلِ ماضی،مضارع کے معنوں میں:-

اہلِ قواعد نے تسلیم کیا ہے کہ گیارہ صورتوں میں ماضی مضارع کا فائدہ دیتی ہے۔اوراس پر قرآنی آیاتِ مقدّسات ہی کوبطور دلیل پیش کیا ہے:-

1۔ عطف ماضی برمضارع:-

❁ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا 25/27 = اورظالم ہاتھ کاٹ کھائے گا۔ کہے گا کاش کہ میں اللہ کے رسولؐ کے ساتھ اپناراستہ بناتا۔یہاں يَقُوْلُ فعل مضارع ہےجس پرقَالَ ماضی کاعطف آیا ہے۔اوروہ مضارع بن گیا ہے:- وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًاo 25/30 = اوررسولِؐ مقبول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری اس قوم نے قرآن کواِس طرح پکڑاہوا تھاجس طرح چھوڑاہواہوتا ہے۔

2۔ ابتدائے کلام میں:-

❁ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ 16/76 = ضَرَبَ فعل ماضی ابتدائے کلام میں آ کرمضارع بن گئی ہے= اللہ دو مَردوں کاحال بیان کرتا ہے۔

3۔ اسم موصول کے بعدآئے:-

❁ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ 6/159 = اَلَّذِيْنَ اسم موصول کے بعدفَرَّقُوْافعل ماضی آیاہے۔اس لئے مضارع بن گیا ہے= بے شک جولوگ اپنے دین میں تفریق پیدا کر کے فرقے فرقے ہو جائیں گے۔اے رسولؐ! آپ کاان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

4۔ ندا کے بعدآئے:-

❁ يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ 22/73 = ضُرِبَ فعل ماضی يٰاَيُّهَا حرفِ ندا

کے بعد آیا ہے اس لئے مضارع بن گیا ہے:۔ لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔اِسے غور کے ساتھ سُننا۔

5۔ لفظ حَیۡثُ کے بعد آئے:۔

❁ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ 2/191=ثَقِفۡتُمُوۡا فعل ماضی حَیۡثُ کے بعد آیا ہے اس لئے مضارع کا فائدہ دیتا ہے۔بمعنی= تم ملک کے باغیوں کو جہاں پاؤ اُنہیں قتل کردو۔

6۔ لفظ کُلَّمَا کے بعد آئے:۔

❁ کُلَّمَا دَخَلَتۡ اُمَّةٌ لَّعَنَتۡ اُخۡتَهَا 7/38=جب بھی کوئی جماعت جہنم میں داخل ہوگی،اپنے جیسی جہنمی جماعت پرلعنت کرے گی۔

7۔8۔9۔10۔ شرط، جزااور ہردو پرعطف:۔

❁ وَلَوۡاَنَّ اَهۡلَ الۡکِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡالَکَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِم وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ 5/65۔اس آیت مجیدہ میں اٰمَنُوۡا ، اَتَّقَوۡا ، کَفَّرۡنَا اوراَدۡخَلۡنَا چاروں فعل ماضی ہیں۔پہلا اور تیسرا چونکہ حرفِ شرط لَوۡ کی بالترتیب شرط اور جزا ہیں۔ اور دوسرا، چوتھا چونکہ بالترتیب اُن کے معطوف ہیں۔اس لئے مضارع کا فائدہ دیتے ہیں۔اورآیتِ مجیدہ کامعنٰی یہ ہے کہ:۔اگراہلِ کتاب ایمان لے آئیں۔اورقانونِ الٰہی کی مخالفت سے بچیں تو ہم ان کی بدحالیاں دُور کردیں گے۔اورنعمتوں والے باغات میں داخل کریں گے۔

11۔ جملہ دعائیہ میں:۔

❁ وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَی الۡجَنَّةِ زُمَرًا ط حَتّٰیۤ اِذَاۤ جَآءُوۡ هَا وَ فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ طِبۡتُمۡ 39/73=جولوگ اپنے ربوبیّت کرنے والے کے ضابطۂ ربوبیّت کی مخالفت سے بچتے ہیں، قیامت کے دن جنّت کی طرف گروہ درگروہ بھیجے جائیں گے جب وہ جنّت پر پہنچیں گے۔اوراُن

کے لئے اس کے دروازے کھولے جائیں گے تو جنّت کا خازن کہے گا تم پر سلامتی ہو۔ تم خوش رہو۔ طِبْتُمْ فعل ماضی ہے جو دعائیہ انداز میں آ کر مضارع بن گیا ہے۔

32.3 فعل مضارع ماضی کے معنوں میں

جس طرح فعل ماضی بعض صورتوں میں مضارع کا فائدہ دیتا ہے۔ اِسی طرح فعل مضارع بعض صورتوں میں ماضی کا فائدہ دیتا ہے:-

1۔ ماضی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے:-

❁ وَكَذَالِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ج يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ 12/56 = اور مذکورہ بالا طریقے سے ہم نے یوسفؑ کو سرزمین مصر میں اقتدار ارضی عطا فرمایا۔ وہ جہاں چاہتا تھا قیام کرتا تھا...... دیکھئے! یہاں يَتَبَوَّاُ اور يَشَآءُ دونوں فعل مضارع ہیں۔ لیکن چونکہ زمانہ ماضی کا واقعہ یوسفؑ بیان کرنے میں وارد ہوئے ہیں۔ اس لئے ماضی کا فائدہ دیتے ہیں۔ ایسے افعال مضارع کو مضارع حکائی کہتے ہیں۔

2۔ مضارع کا عطف ماضی پر:-

❁ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْآ اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ o 12/102 = اے رسولؐ! جس وقت یوسفؑ کے بھائی اس کے خلاف اپنی مہم پر اکٹھے ہوئے اور وہ بُری تجویز کر رہے تھے، اُس وقت آپ اُن کے پاس موجود نہیں تھے۔ يَمْكُرُوْنَ فعل مضارع کا عطف چونکہ اَجْمَعُوْا فعل ماضی پر آیا ہے۔ اس لئے ماضی بن گیا ہے۔ نیز اگر مضارع فعل ماضی کے ماتحت آئے تو بھی ماضی کا فائدہ دیتا ہے۔ خواہ عطف مذکور ہو خواہ نہ ہو۔

3۔ مضارع پر لَمْ داخل ہو:-

❁ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا 17/111 = اللہ تعالیٰ نے بیٹا نہیں بنایا۔ يَتَّخِذْ فعل مضارع پر لَمْ داخل ہونے سے مضارع ماضی منفی بن گیا ہے۔

32.4 اللہ تعالیٰ قیدِ مکان وزمان سے منزّہ ہے:-

عربی سمیت ہر زبان کی گرائمر میں ماضی، حال اور استقبال، تین زمانے تسلیم کیے گئے، اور سلسلۂ کلام میں متکلّم، حاضر اور غائب کا لحاظ لازم قرار دیا گیا ہے۔ لیکن قواعد کی بحث میں قرآن فہمی کے لئے اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ قیدِ مکان وزمان سے آزاد ہے۔ اس لئے ایک ہی آیتِ مجیدہ میں اپنے لئے باندازِ ذیل متکلّم کے صیغے بھی لاتا ہے، اور غائب کے بھی:-

وَهُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ 6/99= وہ اللہ ہی ہے جو بلندی سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر ہم اس کے ساتھ ہر چیز کی نباتات نکالتے ہیں...... دیکھئے یہاں اپنے لئے پہلے غائب کا صیغہ استعمال کیا ہے **اَنْزَلَ** اور متصل ہی متکلّم کا صیغہ لایا گیا ہے **اَخْرَجْنَا** ۔

اِسی طرح ایک ہی آیت میں اپنے لئے باندازِ ذیل مخاطب کا صیغہ بھی لایا جاتا ہے اور غائب کا بھی:- **رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ o** 3/9۔ دیکھئے! یہ راسخون فی العلم کی دعا ہے، جسے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ اس میں پہلے اپنے لئے **اِنَّكَ** ضمیر مخاطب لائی گئی ہے۔ اور پھر غائب کا صیغہ آیا ہے **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ** ...... حالانکہ اندازِ کلام کے مطابق ہونا چاہیئے **اِنَّكَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ** ۔ پس قرآن فہمی کے لئے اسلوبِ قرآنیہ کے ضمن میں یاد رکھیئے گا، چونکہ اللہ تعالیٰ قیدِ زمان ومکان میں مقیّد نہیں ہے۔ اس لئے اپنے لئے حاضر، غائب اور متکلّم تینوں صیغے لائے جاتے ہیں۔

32.5 کلماتِ حصر

قرآنِ کریم میں حصر کے متعدّد طریقے مذکور ہیں:-

1۔ حصر بذریعہ نفی اثبات:-

❁ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ 47/19=نہیں ہے کوئی بھی الٰہ موجود سوائے اللہ کے۔اِنِ الْـحُـكْـمُ اِلَّالِـلّٰـهِ 6/57+12/40=نہیں ہے حکم کسی کا سوائے حکم اللہ کے...... قرآنِ کریم میں یہ چوٹی کا حصر ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدت کی وضاحت فرمائی ہے کہ شرک فی الحکم بھی شرک فی الذات ہی کے برابر ہے۔ چنانچہ شرک کے متعلق فیصلہ دے دیا ہے کہ ہرگز ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا:-اِنَّ اللّٰهَ لَايَـغْـفِـرُ اَنْ يُّشْـرَكَ بِــهٖ وَ يَـغْـفِـرُ مَـادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَـآءُ 4/48+ 4/116۔

2۔ حصر بذریعہ اِنَّمَا واَنَّمَا:-

❁ قُـلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ 18/110=اے رسولؐ کہہ دیجئے گا، سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں (یعنی سو فیصدی صحیح امر یہ ہے) کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں......قرآنی قواعد میں یہ حصر بھی انتہائی محکم مانا گیا ہے۔لیکن افسوس ہے کہ اہلِ اسلام کے بعض گروہوں کا رسول سلامٌ علیہ کو بشر تسلیم نہ کرنا،اِنَّمَا کے محکم حصر کو بیکار کر کے، صرف رسولؐ کے حصارِ بشریت ہی کو نہیں توڑ دیتا، بلکہ اِس سے اللہ تعالیٰ کی الوہیّت بھی معاذ اللہ معاذ اللہ مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ اِسی آیت کے اگلے الفاظ میں ارشاد ہوا ہے:-اَنَّـمَـآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ 18/110=سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ تمہارا الٰہ الٰہ واحد ہے...... دیکھئے! جس حصر کے ساتھ رسولؐ کی بشریت کا اعلان کیا گیا ہے۔ اُسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی الوہیّت بیان ہوئی ہے۔ پس جبکہ اللہ تعالیٰ کا حصارِ الوہیّت ہرگز ہرگز نہیں ٹوٹ سکتا۔اس لئے رسولؐ کے حصارِ بشریت میں بھی شگاف ممکن نہیں۔

3۔ حصر بذریعہ ضمیر مُقدّم:-

❁ اِيَّـاكَ نَـعْـبُـدُ وَ اِيَّـاكَ نَسْتَعِيْنُ 1/4=اے اللہ! ہم صرف تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں......قرآنی قواعد میں ضمیر

مقدّم کے حصر کو بھی نفی اثبات اور اِنَّمَا کے برابر کا درجہ حاصل ہے یہ اس لئے:-

کیونکہ جس طرح اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ میں اطاعت وفرمانبرداری کو نفی اثبات کے ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کر دیا گیا ہے اُسی طرح ضمیر مقدّم کے حصر اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں بھی اکیلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار لیا گیا ہے۔ اِسی طرح ضمیر مقدّم ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ 112/1 میں احدیّت کو صرف اللہ ہی کے لئے مختص کیا گیا ہے۔

4۔ <u>حصر بذریعہ جار مجرور مقدّم:-</u>

❁ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ 4/132-131=آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے...... یہ حقیقت کسی فردو بشر سے مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس ملکیّت میں غیر اللہ کا ہرگز ہرگز اشتراک نہیں ہے...... افسوس ہے کہ اِس حصر ہی کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے کہ غیر متوازن تقسیمِ رزق کو الٰہی تقسیم تسلیم کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ جب اللہ تعالیٰ نے حصر کے ساتھ اعلان کر رکھا ہے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز میری ہے، تو اس کی ملکیّت پر ضروریات سے زائد انسانی ملکیّت کا تصوّر کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟

32.6 تنوین عہدی ذکری، اور تنوین عوض مضاف، یا عوض مضاف الیہ

عربی قواعد میں الف لام عہدی ذکری، اور بدل الاضافت کے علاوہ اگرچہ تنوین عہدی ذکری، اور بدل الاضافت بھی مسلّم ہے۔ لیکن عام تراجم میں تنوین کے اِنْ اَوصاف کا لحاظ بہت کم رکھا گیا ہے۔ قرآن فہمی کے لئے جس طرح الف لام کے مذکورہ اوصاف کا لحاظ رکھنا لازم ہے، اُسی طرح تنوین کے مذکورہ اوصاف کو بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ یعنی جس طرح 12/50 میں فَلَمَّا جَآءَہُ الرَّسُوْلُ میں،

اَلــرَّسُول کا الف لام عوض مضاف الیہ ہے۔مضاف الیہ، الملک ہے، اور اَلــرَّسُول سے مُراد رسولُ الملک ہے، رسولُ اللہ نہیں۔اِسی طرح 61/6 میں مُبَشِّـرًا ۢ بِــرَسُوۡلٍ کے لفظ رسُولٍ کی تنوین عوض مضاف الیہ ہے۔اور رسُولٍ سے مُراد رسول اللہ ہے

نیز جس طرح فَـمَـنۡ شَهِـدَ مِـنۡـكُـمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡـهُ 2/185 میں اَلشَّهۡـــرَ کا الف لام عہدی ذکری، اور اس سے مُراد رمضان کا مہینہ ہے کیونکہ اسی آیت میں اَلشَّهۡر کا نام ماقبل مذکور ہے شَهۡـرُ رَمَـضَانَ......اِسی طرح تنوین عہدی ذکری بھی آتی ہے 5/2 میں اُس قوم کا ذکر کر کے، جس نے مسلمانوں کو مسجد حرام سے روک دیا تھا، صحابہؓ کو حکم دیا گیا ہے کہ اقتدار میسر آنے پر انکی دشمنی تمہیں اِس چیز کا مجرم نہ بنادے کہ تم اُن سے انصاف نہ کرو:-وَلَا يَـجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَـنِ الۡـمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ......الخ 5/2 اور 5/8 میں اُسی قوم کے لئے تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہوا ہے:-وَلَا يَـجۡـرِمَــنَّـكُـمۡ شَـنَــاٰنُ قَوۡمٍ عَـلٰۤـى اَلَّا تَـعۡـدِلُوۡا ؕ...... یہاں قَوۡمٍ کی تنوین عہدی ذکری ہے، یعنی وہ قوم جس نے مسجدِ حرام سے روک دیا تھا۔

32.7 بِسم اللہ شریف بھی قرآنِ کریم کی آیت ہے۔

بسم اللہ شریف کے متعلق یہ تصوّر غلط ہے کہ یہ قرآن مجید کی آیت نہیں۔ بلکہ 15/9 اِنَّـا لَــهٗ لَـحٰفِظُوۡنَ کے الٰہی دعویٰ کے مطابق بِسۡمِ اللّٰهِ شریف بھی قرآنِ کریم کا حصہ ہے۔نزولی ہے اضافی نہیں۔اور قرآنِ کریم ہی کی آیتِ مجیدہ ہے۔

بسم اللہ شریف بظاہر جملہ ناقص ہے تام نہیں

غیر مسلموں کا قرآنِ کریم پر اعتراض ہے کہ اس کا بالکل ابتدائی جملہ بِسۡمِ

اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، نامکمل فقرہ ہے کیونکہ جملہ مکمل ہوتا ہے فاعل فعل اور مفعول کے ساتھ۔ لیکن اس میں سے فعل ہی غائب ہے...... غور فرمائیں بسم اللہ شریف کے پانچ لفظ ہیں:- ب[1]، اِسم[2]، اللہ[3]، رحمان[4] اور رحیم[5]...... ب حرفِ جار ہے۔ اسم، اسمِ نکرہ ہے۔ اللہ اسم علم ہے۔ رحمان اور رحیم دونوں اسم صفت ہیں۔ اب چونکہ اس جملے میں فعل کوئی نہیں۔ اس لئے گرائمر کی رُو سے یہ جملہ ناقص ہے تام نہیں۔ لیکن ترکیب نحوی اور قواعدِ عرب کا قاعدہ کلیہ ہے، کہ جہاں فعل مذکور نہ ہو: وہاں جار مجرور، فعل محذوف کے متعلق ہوتا ہے۔ اور قرائن کی رُو سے فعل محذوف خود بخود نکھر کر عیاں ہو جاتا ہے۔ جملہ بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا فعل محذوف ترکیب نحوی میں ملاحظہ فرمائیں۔

❁ ب[1] حرف جار ہے۔ ❁ اسم[2] مجرور ہے، اپنے ماقبل مذکور حرفِ جار، ب کا۔ اور مضاف ہے، اپنے مابعد مذکور لفظ اللہ کا۔ ❁ اللہ مضاف الیہ ہے اپنے ماقبل مذکور لفظ اسم کا، اور موصوف ہے، اپنے مابعد مذکور ہر دو الفاظ رحمان اور رحیم کا۔

❁ رحمان اور رحیم دونوں صفتیں ہیں اپنے موصوف اللہ کی...... اللہ موصوف اپنی ہر دو صفات رحمان اور رحیم کے ساتھ مل کر مضاف الیہ ہوا اپنے مضاف اسم کا۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوئے بؔ کے۔ اور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے فعل محذوف کے۔ اب قرآنِ کریم کی ابتداء ہی میں بسم اللہ شریف میں فعل محذوف کے بعد چونکہ مذکور ہے ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ“. اور چونکہ جملہ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ“ صرف کہنے یا پڑھنے کی چیز ہے۔ اس لئے یہاں فعل محذوف قُل یا اِقْرَأْ روزِ روشن کی طرح نکھر کر عیاں ہو رہا ہے۔ یعنی پڑھ تو اے رسولؐ! یا کہہ تو اے رسولؐ!

اعلان کر دے تو اے رسولؐ! کہ پوری کی پوری حمد وستائش اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو جُملہ عالمین کیلئے سامانِ ربوبیّت پیدا کرنے والا ہے۔

اِس سے آگے اُس حکمتِ بالغہ کی طرف غور فرمائیں، کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں فعل مذکور کیوں نہیں لایا گیا، محذوف کیوں رکھا گیا ہے؟ یاد رہے کہ بسم اللہ شریف وہ پاکیزہ جملہ ہے کہ ہر کام اس کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں فعل محذوف اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہر موقعہ اور مقام پر الگ الگ افعال محذوف خود بخود متصوّر ہوتے چلے جائیں۔ مثلاً رسولؐ پر جب یہ جملہ نازل ہوا تو مفہوم تھا ''پڑھ یا کہہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور جب آپؐ نے اس حکم کی تعمیل فرمائی تو محذوف نکلا ''میں پڑھتا ہوں، میں کہتا ہوں، اعلان کرتا ہوں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ...... اب چونکہ ہر کام کی ابتداء بسم اللہ شریف سے ہوتی ہے، اس لئے جب ہم کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں تو مفہوم ہوتا ہے ''میں کھاتا ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام کے ساتھ''...... جب مشروبات کے استعمال پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے تو مفہوم ہوتا ہے ''پیتا ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام کے ساتھ''...... جب عورتیں بسم اللہ پڑھ کر مختلف کام کرتی ہیں۔ یعنی آٹا گوندھتی ہیں، دودھ بلوتی ہیں، مکھن نکالتی ہیں، روٹیاں پکاتی ہیں، تو ہر مقام پر الگ الگ مفہوم ہوتے ہیں۔ کہ ''آٹا گوندھتی ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام کے ساتھ۔ دودھ بلوتی ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام کے ساتھ، مکھن نکالتی ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام کے ساتھ۔ علی ہذا القیاس

33- جمع القرآن

33۔

33.1 جمع قرآن تفاسیر کے آئینے میں

قرآن فہمی کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ عقیدہ بھی ہے جو قرآنِ کریم کے متعلق مسلمانوں کو وراثتاً ملتا چلا آ رہا ہے کہ جب رسولِ اکرمؐ کی وفات ہوئی تو قرآنِ کریم ابھی کتابی شکل میں نہیں آیا تھا۔ بلا ترتیب پراگندہ صورت میں ہڈیوں، پتوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی کچھ آیتیں کسی صحابیؓ کے پاس تھیں اور کچھ آیتیں کسی کے پاس[1]۔ آخر جب جنگِ یمامہ میں بہت سے حافظ شہید ہو گئے، تو ابو بکرؓ نے حکم دیا کہ قرآن کو جمع کیا جائے۔

چنانچہ عثمانؓ کو قرآنِ کریم کے جمع و ترتیب کی خدمت سپرد کی گئی۔ اُنہوں نے اپنی نگرانی میں یہ کام زیدؓ سے کروایا۔ جنہوں نے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ آیت آیت کر کے جمع کیا۔ لیکن جب اس طرح تلاشِ بسیار کے بعد قرآنِ کریم جمع ہو گیا تو زیدؓ کا کہنا ہے، کہ دو آیتیں کم تھیں۔ ایک آیت سورہ توبہ کی اور ایک سورہ احزاب کی۔ جو مزید تلاش کے بعد خزیمہؓ بن ثابت انصاری کے گھر سے ملیں[2]۔

33.2 قرأت کے اختلافات تفاسیر کی رُو سے

یہ تو ہوئی روایات کی رُو سے جمع القرآن کی صورت! اب اِس کی قرأت کی حالت ملاحظہ فرمائیں:-

قرآنِ کریم کی قرأت کے متعلق یہ تصوّر دیا گیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے

حاشیہ دیکھئے اگلے صفحہ پر

زمانے میں قبیلے قبیلے کی قرأتِ قرآن میں بھی اختلافات موجود تھے۔ چنانچہ جب اپنے دورِ خلافت میں عثمانؓ ،صحیفۂ حفصہؓ سے نقل کروانے لگے۔تو زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن زبیرؓ،سعیدؓ بن عاص اور عبدالرحمٰنؓ بن حارث بن ہشام کو حکم دیا تو اُن لوگوں نے اِس کو مصاحف میں نقل کیا۔اور عثمانؓ نے اِن تینوں قریشیوں کو کہا کہ جب تم میں اور زیدؓ بن ثابت میں کہیں (قرأتِ) قرآن میں اختلاف ہوتو اُس کو قریش کی زبان میں لکھو''۔(بخاری شریف مترجم مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد دوم صفحہ 990-991)

33.3 اعراب کا اختلاف

محترم مودُودی صاحب نے ترجمان القرآن جون 1959ء کے صفحہ 45 پر لکھا ہے کہ:- ''جس رسم الخط میں ابتداً نبی صلعم نے وحی کی کتابت کرائی تھی۔ اور جس میں ابوبکرؓ نے پہلا مصحف مرتّب کرایا،اور عثمانؓ نے جس کی نقل بعد میں شائع کرائی اُس کے اندر نہ صرف یہ کہ اعراب نہ تھے۔ بلکہ نقطے بھی نہیں تھے کیونکہ اس وقت یہ علامات ایجاد نہ ہوئی تھیں''۔

آپ نے لکھا ہے کہ اعراب اور نقطے، دَورِ بنواُمیّہ میں حجاج بن یوسف نے لگوائے تھے۔ بالفاظِ دیگر تاثّر یہ دیا گیا ہے۔ کہ زمانۂ رسالت وخلافت میں ہر قبیلہ

پچھلے صفحہ کا حاشیہ 1 ہمارے اِس بیان پر قرآن محل کراچی کی مطبوعہ مترجم بخاری شریف جلد دوم صفحہ 989 سطر 27-28 پر زید صحابیؓ کی طرف منسوب کردہ یہ الفاظ شاہد ہیں کہ:- ''ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم ایک جوان آدمی ہو۔تم کو متہم بھی نہیں کرسکتے اور تم رسولؐ اللہ کیلئے وحی لکھتے تھے۔اس لئے قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو''۔

2 اس بیان کی تصدیق مذکورہ بخاری شریف جلد دوم کے صفحہ 990 پر موجود ہے۔زیدؓ کہتے ہیں:- میں نے قرآن کو کھجور کے پٹھوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورہ توبہ کی آخری آیت میں نے ابوخزیمہؓ انصاری کے پاس پائی۔صفحہ 991 پر زیدؓ ہی کی طرف منسوب کردہ الفاظ ہیں:- میں نے مصاحف کو نقل کرتے وقت سورہ احزاب کی ایک آیت نہ پائی......ہم نے اُسے تلاش کیا تو وہ آیت مجھے خزیمہؓ بن ثابت انصاری کے پاس ملی۔

اپنی اپنی منشاء کے اعراب اوران کے نقطے پڑھا کرتا تھا۔ العیاذ باللہ! لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اعراب اور نقطے، جو قرأت کے اختلافات کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ ہیں، عثمانؓ نے اِن کے بغیر قرأت کے اُس مشہور و معروف اختلاف، جس کی بنا پر آج بھی ایک فرقہ وضو میں پیروں کو دھوتا ہے اور ایک مسح کرتا ہے، کو قریش کی زبان میں اَرْجُلَکُمْ لکھوایا تھا یا اَرْجُلِکُمْ۔ جبکہ اعراب و نقاط کے بغیر اس لفظ کی شکل یہ ہے ''ارحلکم''۔

المختصر! اقتباساتِ بالا سے واضح ہوا کہ مروّجہ تفاسیر کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے قرآنِ کریم کو کتابی شکل نہیں دی تھی۔ آپ نے اپنے زمانے میں کچھ کاتبوں سے وحی کی کتابت کروائی تو تھی۔ لیکن اس کی شکل یہ تھی کہ وہ ہڈیوں، پتوں اور پتھروں پر لکھی ہوئی پراگندہ صورت میں مختلف صحابہؓ کے ہاں پڑی ہوئی تھی۔ جسے عثمانؓ نے زیدؓ بن ثابت کے ذریعہ تلاش کروا کر جمع کیا...... لیکن قرآنِ کریم اِس نظریئے کا مطلقاً حامل نہیں۔ وُہ نہیں مانتا کہ وہ زمانۂ رسالت میں ہڈیوں، پتوں اور پتھروں پر لکھا ہوا پراگندہ اور بے ترتیب صورت میں پڑا ہوا تھا۔

33.4 قرآن کہتا ہے کہ وُہ زمانۂ رسالت میں صحیح کتابی صورت میں باریک جھلّی کے کاغذوں پر سطر وار لکھا ہوا تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

۞ وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ 52/3-1

(مفہوم) اُس کتاب کی شہادت ہے جو طُور پر الواح میں لکھی گئی تھی 7/145 = اور اس کتاب کی شہادت ہے جو جھلّی کے کشادہ کاغذوں پر سطر وار لکھی ہوئی ہے...... اب بتایئے! قرآنِ کریم کی اس واضح شہادت کے بعد کیا یہ چیز تسلیم کی جاسکتی ہے کہ نبی اکرمؐ کے زمانے میں قرآنِ کریم ہڈیوں اور پتوں پر لکھا جاتا تھا اور کیا

ہڈیوں یا پتوں کے بھرے ہوئے ٹوکرے یا بوری کو کتاب کہا جا سکتا ہے؟

33.5 قرآنِ کریم کو خود رسولِ اکرمؐ اپنے دست مبارک سے لکھا کرتے تھے۔

ارشادِ باری ہے:-

۞ وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ o 29/48=

(مفہوم) اے رسولؐ! آپ اس کتاب قرآنِ کریم کے نزول سے پہلے نہ کسی کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے داہنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔

غور فرمایئے گا! کہ اس آیتِ مجیدہ میں آپ کے متعلّق عدم تلاوت اور عدم کتابت دونوں چیزوں کا تصوّر معطوف معطوف علیہ کی صورت میں نزولِ قرآن سے پہلے کے متعلّق دیا گیا ہے، جس سے بالصّراحت ثابت ہوا کہ رسولِ اکرمؐ اِس کتاب قرآنِ کریم کے نزول کے بعد اِس کو پڑھا بھی کرتے تھے اور داہنے ہاتھ سے لکھا بھی کرتے تھے۔

33.6 قرآنِ کریم کا نسخۂ امام:-

اور رسولؐ کے اپنے دست مبارک کا لکھا ہوا قرآنِ کریم ہی، وہ نسخۂ امام تھا' جو ہر وقت آپ کے پاس موجود رہتا تھا، اور جس کی طرف اشارہ کر کے رسولؐ ارشاد فرمایا کرتے تھے:- وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ 6/19۔

اور میری طرف یہ

قرآن وحی کیا گیا ہے۔

غور فرمایئے گا! کہ ہٰذا اسم اشارہ قریب ہے جو موجود شے کے لئے آتا ہے۔ اگر قرآنِ کریم کتابی شکل میں موجود نہ ہوتا تو ہٰذا القرآن کے الفاظ کبھی نہ

آتے۔ کیونکہ جب آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔تو اگر قرآنِ کریم کا مکتوب نسخہ کتابی شکل میں آپ کے پاس موجود نہیں تھا تو مخاطب کہہ سکتے تھے کہ بتائیے گا وہ کونسا قرآن ہے جو آپ پر نازل ہوا ہے۔تو اُس وقت آپ کا یہ جواب انتہائی مضحکہ خیز ہوتا ، اگر آپ ہڈیوں پتوں کے ٹوکرے کی طرف اشارہ فرماتے کہ

میری طرف . . . . وحی کیا گیا ہے۔

33.7 قرآنِ کریم کے متعدّد نسخے اِس نسخۂ امام سے روزانہ آپ کی نگرانی میں نقل ہوا کرتے تھے:-

قرآنِ کریم کی روزانہ کتابت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود مخالفینِ رسولؐ کی شہادت پیش کی ہے:-

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِىَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًاo 25/5 (مفہوم) اورمخالفینِ رسولؐ کہتے ہیں کہ یہ قرآن پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔جنہیں محمدؐ نے دل سے گھڑ کر خود لکھ لیا ہے۔اور پھر یہ اس کی نگرانی میں صبح شام (یعنی روزانہ بدستور) اِملا کرایا جاتا ہے۔

اِس آیتِ مجیدہ میں رسولِ اکرمؐ کے متعلق مصدر اِكْتَتَابٌ کی خبر دی گئی ہے۔عربی دان حضرات خوب جانتے ہیں، کہ اکتتاب کا معنٰی ہے اپنے دل سے گھڑ کر اپنے ہاتھ سے لکھنا...... یہ ہے رسولؐ کے نسخۂ امام کے متعلق قرآنی شہادت کہ اُسے تو آپ اپنے دست مبارک سے لکھا کرتے تھے۔اور اِسکے بعد اس نسخہ سے روزانہ آپ کی نگرانی میں املاء کرائی جاتی تھی[1]۔املا کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک شخص بولتا جاتا تھا،اور بہت

حاشیہ دیکھئے اگلے صفحہ پر

سے لکھنے والے لکھتے جاتے تھے۔ نیز **تُمْلٰی عَلَیْه** کے الفاظ سے بالوضاحت ثابت ہے کہ یہ املاء کا کام رسولِ اکرمؐ کی نگرانی میں کیا جاتا تھا۔ یعنی املاء کئے ہوئے نسخوں کی تحریر کو آپؐ خود ملاحظہ فرما کر انکی تصحیح فرمایا کرتے تھے[1]۔

المختصر! قرآنِ کریم کی اپنی شہادت کے مطابق وحی کی کتابت کا کام اس طرح ہوا کرتا تھا کہ جس قدر وحی نازل ہوتی، اُسے رسولِ اکرمؐ خود دستِ مبارک سے نسخۂ امام میں لکھا کرتے تھے۔ اور اِس کے بعد اُس نسخۂ امام سے قرآنِ کریم کے متعدّد نسخوں کی روزانہ اِملاء جاری رہتی تھی۔ اس طرح خود رسولِ اکرمؐ کی زندگی ہی میں آپؐ کے امام نسخے کے علاوہ متعدّد مزید نسخے تیار ہو چکے تھے۔ جنہیں آپؐ نے اپنی سلطنت کے جملہ مراکز کے علاوہ بیرونِ سلطنت بھی بہت سے نسخے بھیج کر "**یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا**" 7/158 کے مقدّس اعلان کی عملی تصدیق فرما کر ثابت کر دیا تھا کہ لوگو! میں پوری نوعِ انسانی کی طرف رسولؐ ہو کر آیا ہوں"۔

33.8_ آپؐ خود بھی حافظِ قرآن تھے اور آپ نے متعدّد مزید حافظِ قرآن بنائے بھی تھے

رسولِ اکرمؐ کے حافظے کی یہ کیفیت تھی کہ نزولِ وحی کے ساتھ ہی قرآنِ کریم آپ کو حفظ ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:- **سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی** o 87/6 = یقیناً ہم ہی آپ کو پڑھاتے ہیں پھر آپ ہر گز نہیں بھولتے۔ اس آیت

پچھلے صفحہ کا حاشیہ 1۔ اِسی اِملا کی شہادت سورہ قلم میں موجود ہے:- **نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ** o 68/1 = اے نبی! قلم اور قرآن کی شہادت ہے جسے کاتب سطر وار لکھتے ہیں۔

موجودہ صفحہ کا حاشیہ 1۔ روایات کا کہنا ہے کہ رسول سلامٌ علیہ ان پڑھ یعنی معاذ اللہ جاہل تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ حالانکہ 3-96/4 میں رسولؐ ہی کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے **اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ** = اے رسولؐ! پڑھیئے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا ربِ اکرم وہ ہے جس نے (آپ کو) قلم کے ساتھ تعلیم دی ہے۔ اب ظاہر ہے قلم کے ساتھ لکھنا ہی سکھایا جاتا ہے۔ قلم کے ساتھ گھڑ دوڑ یا تیراندازی نہیں سکھائی جاتی۔

مجیدہ کی شہادت کے مطابق آپؐ خود بھی حافظِ قرآن تھے۔اورمزید مومن حفّاظ کی خبر آیتِ ذیل میں دی گئی ہے:-

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ 29/49

(مفہوم) یہ قرآنِ کریم جو واضح آیاتِ مجیدہ پر مشتمل ہے، اُن مومنوں کے صدورِ مبارک میں موجود و محفوظ ہے جنہیں علم (قرآنِ کریم) دیا گیا ہے[1]۔ پس آیاتِ بالا سے ثابت ہوا کہ رسولِ اکرمؐ نے قرآنِ کریم کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا تھا۔ اِس کے خود بھی حافظ تھے اور صحابہؓ کی اکثریّت کو بھی حافظِ قرآن بنا دیا تھا۔

فلہٰذا ترجمہ وتفسیر زیرِ نظر میں اِس قرآنی مسلّمہ کو بھی سامنے رکھا گیا ہے کہ قرآنِ کریم زمانۂ رسالت ہی میں موجودہ کتابی شکل میں محفوظ تھا۔ اِس کا متن، اعراب، نقطے، وقفے اور ترتیب سب کچھ وہی ہے جو رسولِ اکرم کے دستِ مبارک کے لکھے ہوئے قرآنِ کریم کے نسخۂ امام کی تھی۔اور جو خود رسولِ اکرمؐ اور کثیر صحابہؓ کے صدُورِ پُرنور میں موجود تھا۔

33.9 ترتیبِ قرآنِ کریم۔

مروّجہ تفاسیر کا کہنا ہے کہ قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب عثمانؓ کی دی ہوئی ہے، لیکن قرآنِ کریم اِس نظریئے کو بھی قبول نہیں کرتا۔سابقہ صفحات میں آیاتِ قرآنی کی رُو سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآنِ کریم کو خود رسولِ اکرمؐ، اِس کے نزول کے ساتھ ساتھ ہی کتابی شکل میں لکھ لیا کرتے تھے، تو اِس طرح عثمانؓ کے متعلق قرآنِ کریم کے جمع کرنے کا نظریہ ہی سرے سے غلط ہے۔کیونکہ رسولؐ نے قرآنِ کریم کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی پراگندہ صورت میں نہیں چھوڑا تھا۔تو اِس طرح جب قرآنِ

1۔ زمانۂ رسالت کے سارے مومن اوّلین اُوتُو العلم تھے۔لیکن سب کے سب حافظِ قرآن نہیں تھے۔اِن کے لئے بِلا استثنٰی جمع کا صیغہ آنا، صحابہ کرامؓ میں حفّاظ کی اکثریت کی خبر دیتا ہے۔

کریم مُنتشر اور پراگندہ تھا ہی نہیں تو عثمانؓ یا کسی اور صحابیؓ کے جمع کرنے کا تصوّر تک ختم ہو جاتا ہے۔

تو اب جبکہ ثابت ہو چکا کہ اِسے خود رسولِ اکرمؐ نے کتابی صورت دی تھی۔ تو اس کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آپؐ نے اِسے کس ترتیب کے ساتھ لکھا تھا؟ اِس کا جواب بھی نہایت آسان ہے کہ آپ نے اِسے، بالکل اُسی ترتیب سے لکھا تھا۔ جس ترتیب کے ساتھ خود آپ کے صدرِ مبارک میں محفوظ تھا اور جس ترتیب سے آپ نے صحابہؓ کے کثیر التّعداد حفّاظ کو حفظ کروا رکھا تھا۔

یاد رہے کہ ترتیب کے بغیر کسی چھوٹی سی کتاب کو بھی حفظ نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ مروّجہ تفاسیر کا دیا ہوا یہ تصوّر قبول کر لیا جائے کہ قرآنِ کریم رسولِ اکرمؐ اور کثیر التّعداد صحابہؓ کو حفظ بھی تھا، اور بے ترتیب بھی تھا۔ العجب ثم العجب!

33.10 حفظ وترتیب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

جس حالت میں یہ امر مسلّم ہے کہ ترتیب کے بغیر حفظ ممکن نہیں۔ اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ رسولِ اکرمؐ اور متعدّد صحابہؓ حافظ بھی تھے۔ تو بالصّراحت ثابت ہو چکا کہ قرآنِ کریم کی ترتیب اِس کے **اوّلین حافظ** خود رسولِ اکرمؐ کے صدرِ مبارک میں بصورتِ حِفظ موجود تھی۔ اُسی ترتیب کو آپ نے کتابی صورت میں بشکلِ مشہود لکھ کر محفوظ کیا۔ (رسولؐ کے صدرِ مبارک میں قرآن کی ترتیب کس نے دی تھی)۔ اس کا جواب عنوان 33/11 میں ملاحظہ فرمائیں۔ قرآنِ کریم، آپؐ کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ جس میں کوئی بڑے سے بڑا دشمنِ قرآن بھی زیر زبر تک میں تغیّر وتبدّل نہیں کر سکا۔ کیونکہ اِس کی حفاظت کا ذِمّہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے:-

۞ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ٥ 15/9

تحفّظِ ناموسِ رسالت وصحابہؓ

روایات کا دیا ہوا یہ تصوّر کہ رسولِ مقبولؐ نے اپنی زندگی میں قرآنِ کریم کو مرتب نہیں فرمایا تھا، بلکہ اِسے آیت آیت کی صورت میں پراگندہ حالت میں چھوڑ گئے تھے، ناموسِ رسالت کو بہت بری طرح داغدار کرتا ہے۔ کہ آپ کو جو ضابطۂ حیات قیامت تک کی پوری نوع انسانی کے لئے دیا گیا تھا، آپ اُس ضابطے کو اِس پراگندہ حالت میں چھوڑ گئے۔ کہ معاذ اللہ! اُسے آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو مرتّب کرنا پڑا۔ اوراس کے بعد پھراس نظریہ کی بدولت ناموسِ صحابہؓ بھی محفوظ نہیں کیونکہ بقولِ روایات انہوں نے قرآنِ کریم کواس طرح الٹ پلٹ کر رکھ دیا کہ جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی اُسے تیسویں پارہ میں رکھا اور جو سب سے اخیر پراتری تھی، اُسے کتاب کے ابتدائی حصے میں رکھا۔ یا پھر معاذ اللہ معاذ اللہ نہ اعراب نہ نقطے، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے مرتّب کردہ نسخہ ہائے قرآنِ کریم کے الفاظ پر نہ صرف یہ کہ زیریں زبریں نہیں تھیں بلکہ نقطے بھی نہیں تھے۔ دوسری طرف بخاری شریف میں مذکور ہے کہ رسول سلامؐ علیہ کا ارشاد ہے کہ قرآنِ کریم سات قرءتوں میں نازل ہوا ہے یعنی اس کی سات قسم کی زیریں زبریں نازل ہوئی تھیں۔ العیاذ باللہ!

33.11 قرآنِ کریم کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟

روایات کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے سورہ علق کی ابتدائی آیاتِ کریمات کا نزول ہوا تھا۔ چنانچہ بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد اوّل کی کتاب الوحی صفحہ نمبر 81 پر حارثؓ بن ہشام کی روایت درج ہے کہ انہوں نے ''رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے۔ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ کبھی میرے پاس گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے [1]۔ اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے [2]۔ اور جب میں اُسے یاد کرلیتا ہوں [3] جو اُس نے کہا تو وہ حالت مجھ سے دُور ہوجاتی ہے......

عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھا۔ پھر جب وحی موقوف ہوجاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا[4]۔

آگے بڑھنے سے پہلے روایتِ بالا پر قرآنِ کریم کی روشنی میں غور فرمائیں:-

1۔ 2/97 میں ارشاد ہوا ہے:- فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ= پس بلا شبہ (جبریل .... ایک مخصوص مَلک جو انبیاء سلامٌ علیہم پر صحف ربانی پہنچانے کے لئے مقرر کیا گیا تھا) قرآنِ کریم کو آپ کے قلب اطہر پر نازل کرتا تھا، لیکن گھنٹے کی آواز کانوں سے سنی جاسکتی ہے قلب سے نہیں۔ فلہٰذا وحی الٰہی کے گھنٹے اور گھڑیال کی صورت میں نازل ہونے کا تصوّر قرآنِ کریم کے خلاف ہے۔

2۔ دوسرے نمبر پر سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے:- ۞ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ 20/2= ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف یا سختی میں پڑ جائیں۔ فلہٰذا آپ کیلئے، نزولِ وحی کا، موجب تکلیف اور سختی ہونا بھی قرآنِ کریم کے خلاف ہے۔

3۔ تیسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:- سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى 87/6= بے شک ہم آپ کو پڑھاتے ہیں پھر آپ بھولتے نہیں۔ اس آیتِ مجیدہ کی رُو سے رسولِ کریمؐ وحی نازل ہوتے ہی حافظ ہو جایا کرتے تھے۔ فلہٰذا آپ کیلئے قرآنِ کریم کو حفظ کرنے کی تکلیف ومشقّت کے نظریہ کا بھی قرآنِ کریم حامل نہیں۔

4۔ چوتھے نمبر پر وحی کے وقت زور سردی کے دنوں میں پسینہ آجانے کا تصوّر بھی 20/2 کے خلاف ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ ہم نے قرآنِ کریم کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ کیلئے موجب تکلیف ہو۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ زور سردیوں میں پسینہ معمولی مشقّت میں نہیں آتا بلکہ انتہائی جانکاہ مشقّت کے بعد ہی آتا ہے۔ اب آگے بڑھیئے:- عائشہؓ ہی کی روایت سے صفحہ نمبر 82 پر منقول ہے کہ:- سب سے پہلی وحی

جو رسول اللہ پر اترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ دیکھتے تھے۔ چنانچہ جب بھی آپ خواب دیکھتے تو صبح کی روشنی میں ظاہر ہو جاتا۔ پھر تنہائی سے آپ کو محبت ہونے لگی[1]۔ اور غارِ حرا میں تنہا رہنے لگے[2]۔ اور قبل اس کے گھر والوں کے پاس آنے کا شوق ہو۔ وہاں تحنث کیا کرتے اور تحنث سے مُراد ہے کئی راتیں عبادت کرنی۔ اور اِس کے لئے توشہ لیتے۔ یہاں تک کہ جب وہ غارِ حرا میں تھے، حق آیا۔ چنانچہ اُن کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھ۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں[3]۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے پکڑا۔ اور مجھے زور سے دبایا۔ یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی۔ پھر مجھ کو چھوڑ دیا، اور کہا پڑھ۔ میں نے کہا پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور زور سے دبایا۔ یہاں تک کہ میری طاقت جواب دینے لگی۔ پھر مجھے چھوڑا، اور کہا پڑھ۔ میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں پھر تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا۔ پھر چھوڑ دیا، اور کہا پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو دہرایا۔ اِس حال میں کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ چنانچہ خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس آئے۔ اور فرمایا کہ مجھے کمبل اُڑھا دو۔ مجھے کمبل اُڑھا دو۔ تو لوگوں نے کمبل اُڑھا دیا۔ یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا۔ خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رُسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ناتوانوں کا بوجھ اپنے اُوپر لیتے ہیں۔ محتاجوں کے لئے کماتے ہیں۔ مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اُٹھاتے ہیں۔ پھر خدیجہؓ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزّیٰ کے پاس لے گئیں۔ جو خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے...... الخ

1، 2۔ اس روایت سے غارِ حرا میں خلوت گزینی کا نظریہ آپ ؐ کی طرف

رہبانیّت پسندی کا انتساب کرتا ہے۔ جو آپ پر بہتان محض ہے۔ کیونکہ آپ ؐ کی قبل نبوت کی زندگی کے متعلق سورہ نجم میں بتایا گیا ہے:-مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی 53/2=لوگو! آپ کا ساتھی نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہک گیا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نوعِ انسانی کے دُکھ سُکھ کے ساتھی تھے اور یہ ساتھ کنجِ تنہائی میں بیٹھنے کا نام نہیں۔ معاشرہ کے دُکھیا انسانوں کی خدمت کرنے کا نام ہے۔ آپ کی صحیح تعریف تو روایتِ بالا کے الفاظ میں بھی موجود ہے کہ آپ کنجِ تنہائی میں رہبانیت کے عامل نہیں تھے۔ بلکہ صلہ رحمی فرماتے تھے، ناتوانوں کے بوجھ اُٹھاتے تھے۔ محتاجوں کے لئے کماتے، اور مہمانوں کی مہمان نوازی فرماتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اعمال کسی کنجِ تنہائی میں سرانجام نہیں دیئے جا سکتے، بلکہ معاشرہ میں ناتوانوں اور محتاجوں کی شبانہ روز خدمت کرنے سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔

33.12: قرآنِ کریم، قیامت تک کی پوری نوعِ انسانی کے لئے مکمل ہدایت نامہ ہے

❁ اَفَغَیْرَ اللہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّھُوَالَّذِیْٓ اَنْـزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا 6/114= اے رسول ؐ کہہ دیجئے گا! کیا میں اللہ کے سِوا کوئی اور حاکم تلاش کروں حالانکہ اُس نے اپنا حکم نامہ تمہاری طرف ایک مفصّل کتاب کی صورت میں نازل کر دیا ہے۔

❁ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ o 16/89=اے رسول ؐ! ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے اور فرمانبرداروں کیلئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

❁ اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ ط اِنَّ فِیْ

ذٰلِکَ لَرَحْمَةً وَّ ذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ o 29/51=اور اے رسولؐ! کیا لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل کر دی ہے، جو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ بیشک اِس میں ماننے والوں کے لئے رحمت اور نصیحت موجود ہے۔

آیاتِ بالا میں صراحتاً بتا دیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم مکمل، مفصّل، تبیان، ہدایت، رحمت، بشارت، نصیحت اور کافی ہونے کے ساتھ ساتھ قیامت تک کے لوگوں کے لئے ضابطۂ حیات بھی یہی ہے۔ جب تک آپؐ بنفس نفیس زندہ رہے، لوگوں کو صرف اس قرآن کے ساتھ ہی ان کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرتے رہے۔ اور آپ کے بعد ہر اُس مبلغ پر اس قرآن ہی کے ساتھ لوگوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرنا فرض ٹھہرایا گیا ہے، جس تک یہ پہنچتا رہے۔ اب چونکہ اس کی حفاظت کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے:- اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ o 15/9۔ اس لئے یہ امر ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں قرآنِ کریم، مرورِ زمانہ کے ہاتھوں ضائع یا گم ہو جائے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ قیامت تک کے لئے اسی طرح محفوظ رہے گا جس طرح چودہ سو سال سے آج تک محفوظ ہے کہ مخالف قومیں اس کی زیر زبر تک کو نہ ضائع کر سکی ہیں، اور نہ اُن میں کوئی معمولی سی تبدیلی ہی لا سکی ہیں۔

باقی انبیاءؑ اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے لیکن صاحبِ قرآن کو پوری نوعِ انسانی کی طرف بھیجا گیا تھا

❁ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ 7/59۔ بلا شبہ نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا۔

❁ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا 7/73۔ اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔

❁ وَاِلٰی مَـدْیَـنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا 7/85۔اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔

❁ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ 7/103۔ پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا۔

❁ وَاِذْ قَـالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ 61/6۔اور وہ وقت قابل ذکر ہے، جب مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو کہا کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوکر آیا ہوں۔

آیاتِ بالا میں متعدّد انبیاء سلامٌ علیہم کے اسماءِ گرامی بیان کرکے واضح کیا گیا ہے کہ وہ اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔لیکن آپؐ کے متعلق خود ارشادِ باری ہے:-

❁ قُلْ یٰٓاَیُّهَـا الـنَّـاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا 7/158۔اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ اے نوعِ انسانی! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اس آیتِ مجیدہ سے بالصّراحت ثابت ہے کہ رسول سلامٌ علیہ پوری نوعِ انسانی کے رسول تھے۔تو اس طرح جو کتاب آپ کو دی گئی تھی۔یعنی جس کتاب کے آپ رسول تھے اور جس کتاب کا بلاغ آپ کا فریضۂ رسالت تھا، وہ کتاب خود پوری نوعِ انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہدایت نامہ اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

33.13 آپؐ خاتم النبیّین تھے آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔نہ نیا نہ پرانا

اب چونکہ قرآنِ کریم قیامت تک کی نوعِ انسانی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات، اور کامل و اکمل ہدایت نامہ ہے۔ نیز چونکہ رسولِ مقبولؐ قیامت تک کی نوعِ

انسانی کے لئے رسولؐ تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی حفاظت اپنے ذمہ لے کر 15/9' آئندہ کے لئے نبیوں کا سلسلہ بند کر دیا ہے:-

❁ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط 33/40۔ محمدؐ تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور لیکن (وہ اس جہت سے پوری اُمت کے دینی باپ ہیں کہ) وہ اللہ کے رسولؐ اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں...... اس آیت مجیدہ کی رُو سے ثابت ہے کہ آپ کے بعد آپ کی کتاب کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر کے نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ پس اب کوئی بھی نبی نہیں آئے گا۔ نیا اس لئے نہیں کہ ضابطۂ الٰہی میں اس سلسلہ کو بند کر دیا گیا ہے اور پرانا اس لئے نہیں، کہ پرانے نبیوں میں سے نہ کوئی زندہ ہے نہ آئے گا۔ سب وفات پا چکے ہیں:-

❁ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ 3/144 = نہیں ہیں محمدؐ مگر آپ ایک رسولؐ ہیں۔ آپ سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔

❁ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ 5/75 = نہیں ہیں مریم کے بیٹے مسیحؑ مگر ایک رسول۔ آپ سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔

ان آیاتِ کریمات کے تقابل سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح مسیح سلامٌ علیہ سے پہلے جملہ رسولوں کے متعلق کہا گیا ہے۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ = اسی طرح نبی اکرم سلامٌ علیہ کے متعلق ارشاد ہوا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ...... تو اب جس طرح قَدْ خَلَتْ کی الٰہی خبر کے مطابق سیّدنا مسیح سے پہلے رسولوں میں سے کوئی زندہ نہیں، اُسی طرح محمدؐ سے پہلے رسولوں میں سے بھی بمعہ مسیح سلامٌ علیہ نہ کوئی زندہ ہے اور نہ کوئی آئے گا۔ سیّدنا مسیحؑ کے متعلق روایات کی یہ خبر کہ آپ دوسرے یا چوتھے آسمان پر زندہ ہیں اور نازل ہوں گے، آیاتِ بالا کے خلاف ہے۔

33.14 محمدؐ ہدایت کے متلاشی تھے، قرآنِ کریم، معاشرہ کے دُکھوں کا مداوا ہے۔

سورہ والضحیٰ میں ارشاد ہوا ہے:-

❁ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى 93/7=اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلاشِ ہدایت میں سرگرداں پایا، پس آپ کی ہدایت فرمائی۔ اس آیت کی تفسیر کے لئے زمانۂ رسالت سے ماقبل زمانۂ جہالت کو نگاہوں کے سامنے لائیے۔ جب ہر طرف ظلم و استبداد کے اندھیروں نے پوری کائنات کو یکسر تاریک کر رکھا تھا۔ جب زیرِ دست انسان بالا دستیوں کے ظلم وستم کی چکّی میں شبانہ روز پس رہے تھے اور کوئی دِل ان کی بے پناہ مظلومیت کے لئے پسیجتا نہ تھا۔ بے گناہ چھوٹی بچیوں کو گڑھا کھود کر زندہ دبا دیا جاتا۔ لیکن کوئی آنکھ اُن ناکردہ گناہ مظلوموں کے لئے ایک آنسو تک نہیں بہاتی تھی۔ نہ سفر محفوظ تھے نہ حضر مامون۔ نہ عزت محفوظ تھی نہ عصمت مصئون۔ پوری دنیا کی زیرِ دست انسانیت بالا دستوں کی زرخرید ملکیت بنی ہوئی تھی۔ نوعِ انسانی کی خرید و فروخت کے لئے سر بازار منڈیاں لگائی جاتی تھیں۔ اور اس افضل ترین نوع کے مرد عورتیں، بھیڑ بکری کی طرح دن دیہاڑے بکا کرتے تھے۔ ہر خریدار منڈی کی اِس جنس مرد وعورت کو خریدنے سے پہلے اس طرح کھینچ داب اور مسل دھسل کر پرکھتا ہوا پایا جاتا، جس طرح بھیڑ بکری کے ایک ایک عضو کے متعلق تسلی کی جاتی ہے۔ عورت کا معاشرہ میں کوئی مقام ہی نہ تھا۔ متوفی کے مال متروکہ کی طرح عورت کو بھی وراثت کا مال ہی سمجھا جاتا تھا۔ جنسی بے راہ روی کی یہ حالت کہ لونڈیاں آپس میں چند دنوں کے لئے عاریتہً بھی لی دی جایا کرتی تھیں۔

❁ اس انتہائی ظلم وظلمت کے زمانے میں ایک فردِ محترم پیدا ہوئے جن کا خاندانی نام رکھا گیا تھا احمد 61/6۔

لیکن یہ احمدؐ (اللہ کی بے حد تعریف کرنے والا) اس بے پناہ ظلم وتاریکی کے زمانے میں گوناگوں خوبیوں، صداقتوں اور راستبازیوں کی بدولت تھوڑے ہی عرصے میں محمدؐ ہوگیا (حمد درحمد کیا ہوا) ہر چہار طرف سے اس مردِ کامل کی تعریفوں کے پل بندھ گئے اور حالت یہ ہوگئی کہ آپ کو، اُس بدترین معاشرہ میں بے اختیار محمدؐ کے پیارے نام سے پکارا جانے لگا۔ (تعریفوں میں دبا ہوا) حالت یہ تھی کہ معاشرہ کے ہر گوشے میں آپ کی تعریفیں ہورہی ہیں۔ ہر مقام پر آپ کی عزت کی جاتی ہے۔ ہر معاملے میں آپ کو حاکم ومنصف مانا جاتا ہے۔ صادق وامین کے بہترین القاب آپ کے لئے مختص کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن آپ خوش نہیں تھے یعنی آپ ان گوناگوں سعادتوں کے باوجود غمگین رہتے تھے۔

کیوں؟ .... اس لئے کہ آپ صرف اپنے لئے عزت ووقار کے متمنی نہیں تھے۔ بلکہ پوری نوعِ انسانی کو بالکل مساوی انداز میں باعزت و باوقار دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ دُکھی انسانیت کے مداوا کے طلبگار تھے۔ آپ نوعِ انسانی کے اُن افراد کو، جو منڈی کی جنس بن کر سربازار بکا کرتے تھے، اُن کا اصلی مقام دلانا چاہتے تھے۔ صنف نازک کے کھوئے ہوئے وقار کی واپسی کے متمنی تھے۔ زندہ دبائی جانے والی لڑکیوں کو جینے کا حق دلانے کے لئے مغموم ومضطرب رہتے تھے۔ مزدور کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر سے سرمایہ دار کا غاصبانہ حق زائل کر کے مزدور اور اس کے بے گناہ بچوں کے لبوں کو بھی تبسم آشنا دیکھنے کے طلب گار تھے۔ اعلیٰ وادنیٰ، عربی وعجمی، قریشی وغیر قریشی، ہاشمی واموی، کالا گورا، اسود واحمر، مزدور وسرمایہ دار، مالک ومزارع، آقا وغلام اور بندہ وصاحب کے جملہ انسانیت سوز امتیازات کو یک قلم موقوف کر کے پوری کی پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کو صرف اور صرف نوعِ انسانی کے ہموار اور فرحت افزا مقام پر فائز دیکھنا چاہتے تھے، جہاں ہر طرف مسرتیں رقص کرتی ہوئی دکھائی دیں اور پورے معاشرے کے ایک ایک فرد کے لبوں پر، ہر آن ایک جیسی مسکراہٹیں

کھلتی ہوئی پائی جائیں۔

❁ آپؐ کو ان حسین تمناؤں اور جنّت بدوش حسرتوں کی تکمیل کے لئے ایک لازوال رہنمائی کی ضرورت تھی۔اسی ہدایت کے لئے آپ حیران وسرگردان تھے کہ ایک ایسی تحریک کا آغاز کیا جائے جس کا انجام مذکورہ بالا تمناؤں کی فردوسِ مشہود ہو۔ آپ اپنے گردوپیش کے انسانوں کو ایک منشور بطور بنیاد دینا چاہتے تھے، جس پر دُکھیا انسانیت کے مداوا کی عمارت اٹھائی جائے۔چنانچہ رحمتِ باری جوش میں آئی اور آپ پر نزولِ وحی کی ابتدا ہوئی۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔2/185۔رات کا وقت مکمل تنہائی اور سکوت 17/1 ' بستی سے باہر مسجد اور باغ 17/1 ' 53/15۔ بہار کا موسم 53/16 ' جب ہر طرف نئی جوانی کا آغاز ہوتا ہے، مُردہ دِلوں میں بھی نئی زندگی کی لہریں دوڑتی ہیں۔ایسے پُرفضا مقام اور سہانے وقت میں، اُس طلب گارِ ہدایت کو، جو مذکورہ بالا فردوسِ نگاہ وگوش تمناؤں اور حسرتوں کو تکمیل کے لئے ایک عظیم الشان مہم کی ابتدا کرنا چاہتا تھا، باری تعالیٰ نے خود اُسی کے اندازِ تکلّم میں یعنی اُسی کو متکلّم بنا کر ارشاد فرمایا''(اے غمخوارِ انسانیت!) اللہ صاحبِ بخششِ عامہ اور رحمتِ خاصہ کے نام کے ساتھ اقرار واعلان فرمایئے:-اَلْحَمْدُلِلّٰہِ پوری کی پوری حمد وستائش اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جو جملہ جہانوں کی جملہ مخلوق کا رب، روزی رساں سب کے لئے یکساں طور پر سامانِ ربوبیّت مہیا کرنے والا ہے۔حقوقِ ربوبیّت کے لحاظ سے اُس کے ہاں نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کا حقِّ ربوبیّت مسلّم ہے۔وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہے۔صرف رَبُّ الْمُترفین، یَارَبُّ الْمُسْلمین نہیں وہ سب کا رب ہے:- اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o 1/1.

❁ رسولِ اکرمؐ قبلِ نبوت کے پُراضطراب دَور میں جب دُکھی انسانیت کے مداوا کی تلاش میں، طلب گارِ ہدایت تھے، اُس وقت آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ مجھ پر کتاب اُترنے والی ہے۔وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا

رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَ 28/86۔ چنانچہ عالمین کے پروردگار نے طلبگارِ ہدایت ہی کو متکلّم بنا کر آپ ہی کی زبانِ فیض ترجمان سے گوہر افشانی فرماتے ہوئے کتابِ مجید کی افتتاحی سورتِ مجیدہ نازل فرمائی۔ جو آپؐ کی حسین آرزوؤں اور مسرت بدوش حسرتوں کا آئینہ بھی ہے 93/7۔ قرآنِ کریم کی فہرت بھی ہے۔ پورے قرآن میں دُہرائے ہوئے سات عنوانات پر مشتمل بھی ہے 15/87۔ اور اُس مبارک تحریک کا سات نکاتی منشور بھی ہے، جس تحریک کا افتتاح آپ نے نوعِ انسانی کو اُس کی گونا گون مصائب ومشکلات سے نجات دلانے کے لئے، قرآنِ کریم کے نزولِ اوّل کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتدائی ہدایات اور نوعِ انسانی کے نام احکامات اور قوم کے سوالوں کے ضروری جوابات مل چکنے کے فوراً بعد فرمایا۔ اور سورہ فاتحہ ہی کے سات عنوانات، اور اپنے سات نکاتی منشور کے اعلان ہی میں، قوم پر واضح کر دیا کہ آپ کیا لے کر آئے ہیں۔ کس بحرِ عمیق کے شناور اور کس میدان کے شاہسوار ہیں۔ آپ کی مقدّس تحریک کی ابتداء کیا ہے اور انتہا کیا ہوگی۔

المختصر! سورہ فاتحہ پورے قرآنِ کریم کا نچوڑ، پورے قرآن کا اجمال ہے۔ پورا قرآن اس اجمال کی تفصیل ہے۔ سورہ بقر کی ابتدائی بیس آیتوں میں آپؐ کو ہدایات دی گئی ہیں کہ آپ کی پاکیزہ مہم اور مبارک تحریک کے سلسلے میں آپ کو تین قسم کے لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑے گا:- 1۔ مومن 2۔ کافر 3۔ منافق

مومن وہ ہوں گے، جو آپ پر، قرآنِ کریم پر، سابقہ کتابوں اور آخرت پر ایمان لائیں گے۔ نظام ربوبیّت کے قیام میں آپ کا ساتھ دیں گے اور اس کے لئے اپنے مال خرچ کریں گے 2/4-3

کافر وہ ہوں گے، جو آپ کی نبوت کا، قرآنِ کریم اور آخرت کا مطلقاً انکار کر دیں گے۔ اُنہیں سمجھانا، یا نہ سمجھانا برابر ہوگا۔ اُن کے ذہنوں اور کانوں پر نہ سننے اور نہ سمجھنے کی مہر ہوگی۔ اور ان کی آنکھوں پر باپ دادا کی تقلید کے پردے پڑے

ہوئے ہوں گے۔ 2/7-6 ۔ وہ ایمان لانے والے نہیں ہوں گے۔ ان کے ساتھ مغز ماری نہ فرمایئے گا۔

منافق وہ ہوں گے، جو زبان سے ایمان کا اقرار کریں گے لیکن دراصل مومن نہیں ہوں گے۔ وہ در پردہ کافروں کے ساتھ ملے ہوئے ہوں گے۔ آپ کے پاس آئیں گے تو ایمان کا اظہار کریں گے۔ اور جب خلوت نشین پیشواؤں کے پاس جائیں گے تو ان سے کہیں گے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مومنوں سے تو ہم محض مذاق کرنے جاتے ہیں۔ 2/14-8 ...... یعنی ایسے لوگوں کے متعلق آپ کو ہدایت دی گئی ہے کہ ایسے لوگ انتہائی خطرناک ہوں گے۔ اُن سے پوری طرح بچ کر رہنا ہوگا۔

اس طرح پہلی بیس آیتوں میں مذکورہ بالا تینوں قسم کے لوگوں کے متعلق مختصر ہدایات دے چکنے کے بعد آیت نمبر 21-22 میں پوری نوعِ انسانی کی طرف قرآنِ کریم کا پہلا خطاب ہے:-

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

2/22-21

(مفہوم) اے پوری نوعِ انسانی! اپنے پروردگار کی عبودیت (فرمانبرداری) کرو، جو تمہارا بھی رب ہے، اور اُن لوگوں کا بھی رب ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ (یہ خالصاً رب تعالیٰ کا فرمانبرداری کا حکم اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم زندگی کی جملہ مشکلات اور معاشرہ کے ہر قسم کے خطرات ومصائب سے بچ جاؤ۔ تمہارا رب وہ ہے جس نے تم سب کے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو بناء

(ربوبیّت) بنایا ہے یعنی وہ بلندی سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر اُس پانی کے ساتھ تم سب کے سب کے لئے ہر قسم کے میوہ جات پیدا کرتا ہے۔ پس تم اللہ کے لئے (اُس کی ربوبیّت میں) غیر اللہ کو شریک نہ ٹھہرانا۔ کیونکہ (کائنات اور اسبابِ ربوبیّت میں غیر اللہ کی عدم شرکت اس طرح نمایاں ہے کہ اس حقیقت کو) تم سب جانتے ہو۔

اس کے بعد، آیت نمبر 23 تا 28، معترضے جملے ہیں۔ اور آیت نمبر 29 میں ربوبیّتِ عالمینی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o 1/1. کا تائیدی اور تاکیدی اعلان ہے:-

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًاق 2/29

(مفہوم) اے نوعِ انسانی! اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے جو کچھ بھی زمین میں پیدا کیا ہے،

وہ سب کا سب تم سب کے سب کے لئے پیدا کیا ہے۔

بالفاظِ دیگر:-

قرآنِ کریم ناہموار تقسیمِ رزق کے جملہ نظاموں کے خلاف، ہموار و متوازن تقسیمِ رزق کا نظام پیش کرتا ہے اور اسی نقطۂ ماسکہ کے گرد اس کی پوری تعلیم گردش کرتی ہے۔

حاصل کلام

برادرانِ اسلام!

یہ ہے زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر کا تعارف، جو خود قرآنِ کریم کے آئینے میں اس طرح عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ مشکل الفاظ اور قواعدِ وگریمر کی مشکل اصطلاحوں سے عمداً پرہیز کر کے آسان اصطلاحیں پیش کی گئی ہیں، تاکہ کم علم اصحاب بھی سمجھ سکیں۔اس پورے مضمون کا خلاصہ یہ ہے:-

- قرآن کا یہ ترجمہ اور تفسیر قرآن فہمی کے اُن اصولوں پر مبنی ہے، جو خود قرآنِ کریم نے پیش کئے ہیں۔
- پوری تفسیر کا محوری نقطہ،قرآنِ کریم کے ابتدائی اور انتہائی اعلان، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o 1/1. اور قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ 114/1 کے مطابق **ربوبیّتِ عالمینی** ہے۔

یاد رہے کہ خود قرآنی تعلیم کی روشنی میں:-

قرآنِ کریم کی غرضِ نزول یہ ہے:-

کہ پورے کرۂ ارض پر پوری نوعِ انسانی کا ایک عالمگیر ہموار ومتوازن **نظامِ ربوبیّتِ عامہ** قائم ہو۔نسلی، لسانی، جغرافیائی، امیر وغریب، مالک وملازم، زمیندار ومزارع، کارخانہ دار ومزدور کے جملہ امتیازات ختم ہو جائیں اور پوری زمین اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ o کی عملی تفسیر بن جائے۔جس میں:-

- نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا۔
- نہ بے مکان ہو نہ بے علاج۔
- نہ کوئی ساہوکار ہو نہ قرضدار
- نہ کوئی کرایہ خواہ ہو نہ کرایہ دار۔

ہر فردِ انسانی، ضروریاتِ زندگی سے سو فیصدی بہرہ یاب ہو۔پورہ کرۂ ارض ایک

گھر بن جائے، اور پوری نوعِ انسانی ایک کنبہ

- نہ کہیں توپیں اور ٹینک آگ اُگلتے ہوئے پائے جائیں۔
- نہ کہیں نیپام بموں کا خوف ہو، نہ ہائیڈروجن اور ایٹم بموں کا خطرہ۔

پس زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر کے اس تعارف، اور قرآنِ حکیم کے محوری نقطہ ربوبیّتِ عامہ کو نگاہ میں رکھئے

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج 2/286

رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ o لا

وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِo 97-23/98

قرآنِ کریم کے مفسّر نہیں خادم

قرآنِ کریم کی تفسیر بذریعہ آیاتِ کریمات خود قرآنِ کریم کے اندر موجود ہے۔ اور اس کا مفسّر خود اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم مفسرینِ قرآن نہیں بلکہ خادمینِ قرآن بتصریفِ آیاتِ الفرقان ہیں۔

ادارہ بلاغ القرآن 110۔این سمن آباد لاہور پاکستان

پوسٹ کوڈ 54500 فون: 042-7551559

فہرست مطبوعات: ادارہ بلاغ القرآن لاہور

تفسیر القرآن بالقرآن

جلد اوّل = سورۃ فاتحہ البقرۃ

جلد دوم = آل عمرآن تا النسآء

جلد سوم = مائدہ تا اعراف

جلد چہارم = انفال تا رعد

قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد

DVD برائے لٹریچر ادارہ بلاغ القرآن

پمفلٹس

1	بِسم اللہِ الرحمٰنِ الرحیم
2	سلام علیکم
3	قرآن فہمی کے قرآنی اصول
4	فضائلِ قرآن
5	پیغامِ توحید
6	وحی صرف قرآن میں ہے محمد علی رسولنگری
7	وحی صرف قرآن میں ہے خواجہ ازہر عباس
8	مسئلہ جمع وتدوینِ قرآن
9	اسلامی آئین
10	قرآن اور نظامِ حیات
11	نظامِ مصطفٰے سلام علیہ
12	پوری نوعِ انسانی کے بنیادی حقوق
13	نظریہ پاکستان
14	فریضہ حج
15	اذکارِ صلوٰۃ۔۔حیاتِ مسلم کا پروگرام
16	قرآنی صلوٰۃ
17	الصلوٰۃ (چھ عنوانات)
18	اقیموا الصلوٰۃ
19	قرآنِ کریم کو اختراعِ ذہنی کا مرقّع بنانے کی نادرترین کوشش
20	مسئلہ زکوٰۃ
21	ماہِ رمضان کیوں آتا ہے؟
22	سورۃ القدر پر ایک نظر
23	آیۂ تطہیر
24	حروفِ مقطعات
25	سیدنا محمدؐ واحمد عربی کی شانِ گرامی
26	ایوب رسول اللہ
27	یونسؑ رسول اللہ
28	واقعہِ سلیمانؑ وملکۂ سبا
29	حقیقتِ مسئلۂ نزولِ مسیحؑ
30	شانِ صحابہؓ
31	واقعۂ زیدؓ
32	اصحابِ کہف

نمبر شمار	نام پمفلٹ	نمبر شمار	نام پمفلٹ
33	مسئلۂ محکمات ومتشابہات	50	وفاقی شرعی عدالت (فیصلہ رجم)
34	ذاتی ملکیت اور قرآن	51	مسئلۂ قیامت
35	ازواجِ مطہرات	52	سجدۂ ملائکہ بحضورِ آدم
36	مسئلہِ حلال وحرام	53	مسئلہ جن
37	عائلی قوانین	54	لَعب و لہوٗ
38	نظریۂ روح کا تجزیہ	55	ذات پات
39	نظریہ روح کا تجزیہ۔ دل یا دماغ	56	عید مبارک
40	شراب حرامِ مطلق	57	سیلاب کی تباہ کاریاں
41	فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت	58	آرٹ اور اسلام کی آڑ میں
42	مسئلہ خاتم النبیین	59	روایت افک
43	نظریۂ شفاعت	60	تجزیہ روایتِ معراج
44	جادو اور قرآن	61	زندگی اور قوت
45	فلسفۂ دعا	62	کلید تشخیص
46	مسئلہ وراثت	63	فارما کوپیا ومجربات
47	مسئلۂ ناسخ ومنسوخ	64	قرآنی خطبۂ نکاح
48	سنگساری	65	درود کا مفہوم
49	سنگساری اور قرآنِ حکیم	66	جائزہ۔۔۔نزول مہدی

نوٹ :۔ ادارہ بلاغ القرآن کے مندرجہ بالا پمفلٹس تین جلدوں میں مجلّد بھی ادارہ سے مل سکتے ہیں

ادارہ بلاغ القرآن 110۔این سمن آباد لاہور پاکستان پوسٹ کوڈ 54500

فون: 042-7551559